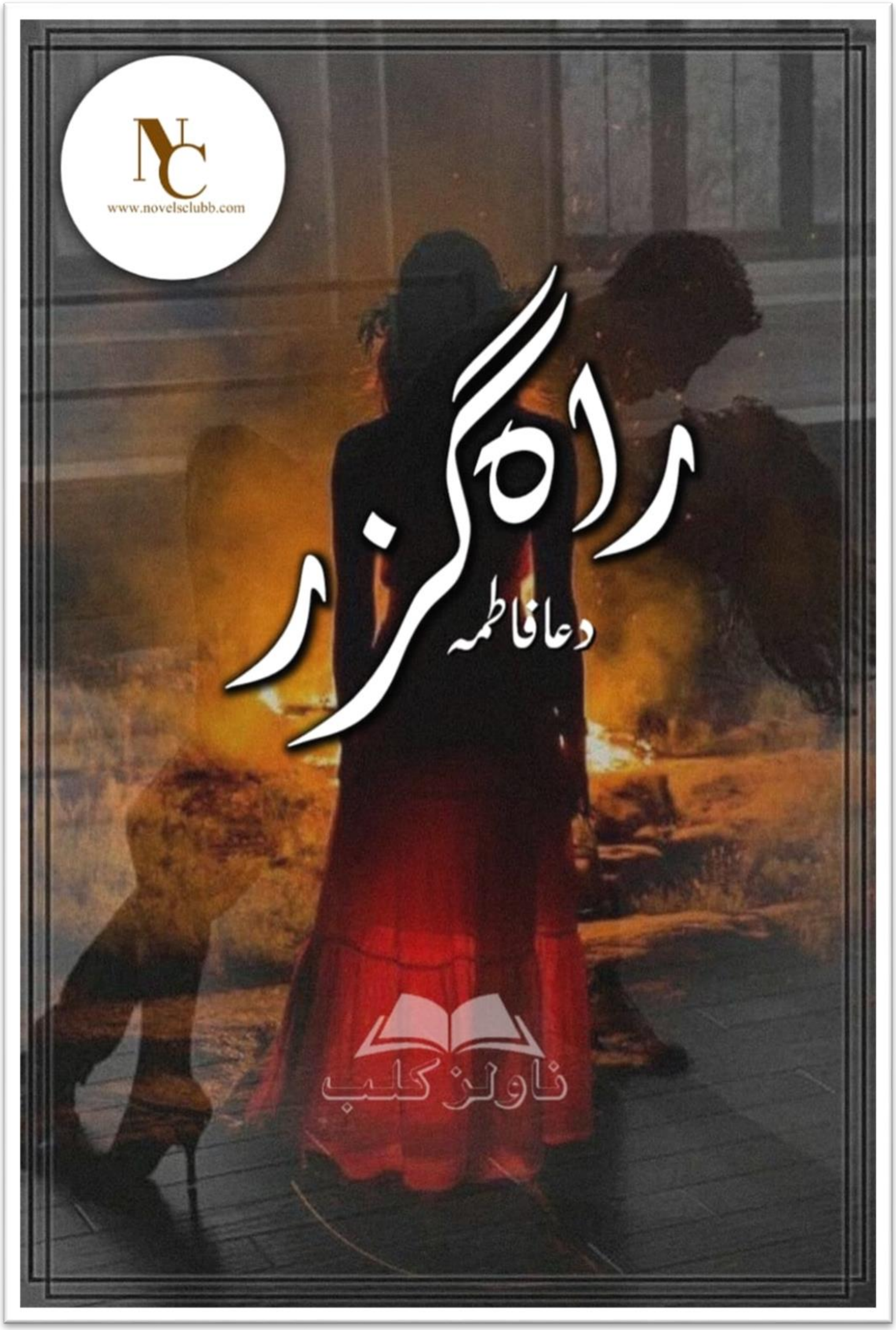

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

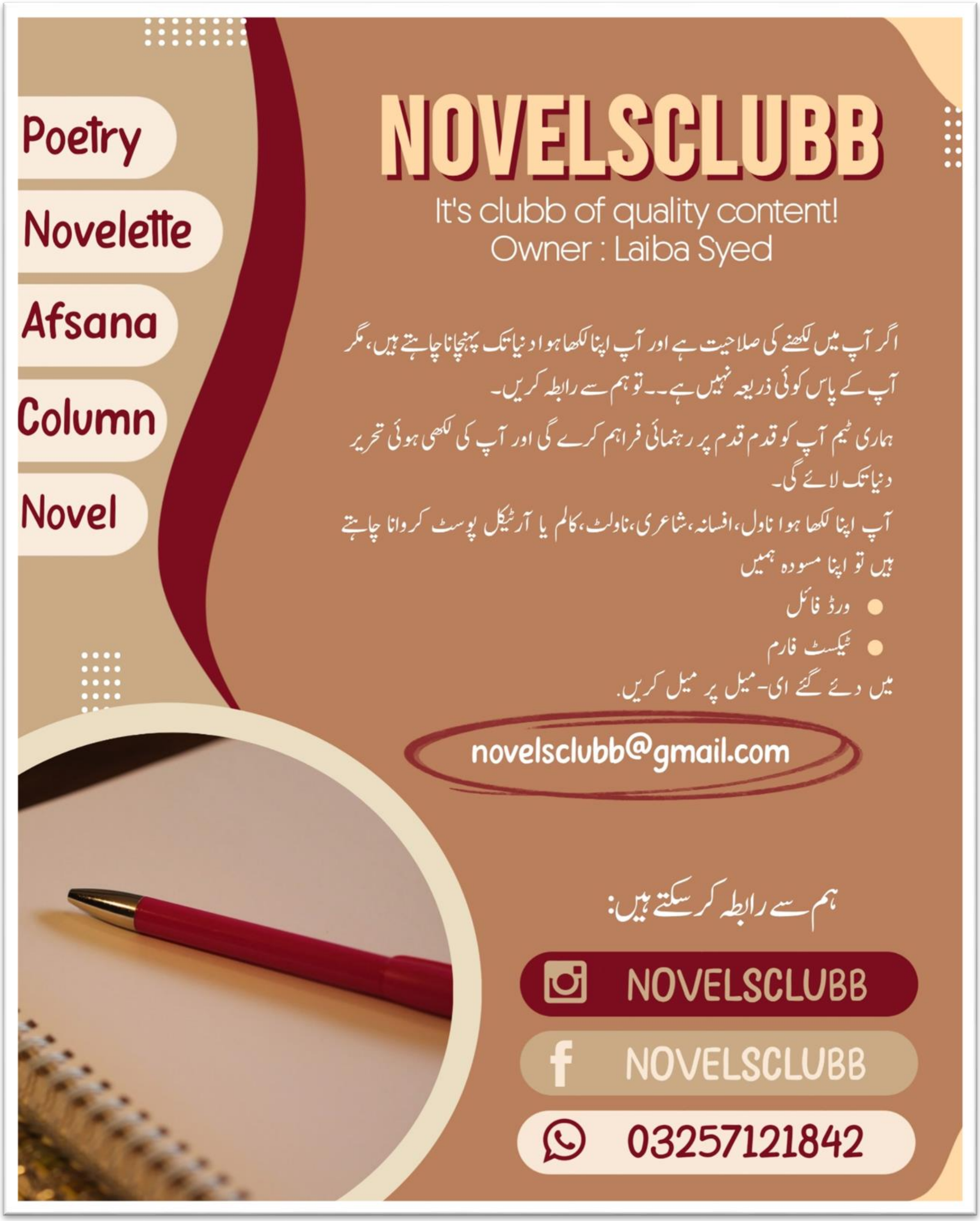
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

راہ گزر

از قلم

دعا فاطمہ

www.novelsclubb.com

انتساب

میری زندگی اور اس کی تلخیوں کے نام۔۔۔زندگی کے حقیقی چہرے کے نام۔۔۔زندگی کی تلخ گہرائیوں کے نام!

www.novelsclubb.com

پیش لفظ

یہ کہانی ہے ایمان زاویار کی۔۔۔اس ایمان زاویار کی جو زندگی کے شروع ہوتے ہی اس کی تلخیوں سے جاملتی ہے۔اس ایمان زایار کی جو زندگی گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنا ایمان کھو بیٹھتی ہے۔اس ایمان زاویار کی جس کی زندگی کی تلخیاں ہی اسے اس کا امیان واپس لوٹاتی ہیں۔اس ایمان زاویار کی جو صرف اپنے آپ کے ساتھ اس دنیا میں اکیلی رہ جاتی ہے۔

کہانی ہے زندگی کی۔اس زندگی کی جو اپنا خوبصورت نقاب اتار پھینکتی ہے۔اس زندگی کی جس کی بدصورت حقیقت سامنے آتی ہے۔اس زندگی کی جو انسان کو چاروں اور سے گھیرے اس کو تنہا کرڈالتی ہے۔

کہانی ہے راتوں کو رونے والوں کی، کہانی ہے سسکنے والوں کی، کہانی ہے اکیلے رہ جانے والوں کی۔۔۔

www.novelsclubb.com

کہانی ہے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرّانے والے رمیص جہانزیب کی۔۔۔

کہانی ہے دور پردیس میں کہیں کھو جانے والے ارتضیٰ مراد کی۔۔۔

داستان ہے غزل ارشد کی۔۔۔داستان ہے ایمان زاویار کی۔۔۔

اس کہانی کی سب سے ڈیزروِنگ لکھاری میری نانی ہیں جنہوں نے میری تھیم سن کر ایک ہی بار میں مجھے میری کہانی کا نام بتا کر مجھے میری ناول کا پلاٹ، کلائمیکس اور اختتام تھما دیا۔میری کہانی کو ایک نیا رخ بخشا۔ارشد شریف شہید کی سوانح عمری کچھ الگ لفظوں میں بیان کر کے میں نے ایک اور تھیم کو اس ناول کا حصّہ بنایا ہے۔سب سے آخر میں میری پوری کوشش ہے کہ میں اپنے ذہن میں قائم ہوئے اسباق کو باآسانی اس ناول کے ذریعے آپ تک پہنچا سکوں۔

والسلام

دعا فاطمہ

www.novelsclubb.com

راہ گزر

از دعا فاطمہ

قسط 7

زندگی کی بھاگتی دوڑ

جیسے سڑک کی سرمئی دھار

ہوا کے دوش پر

اڑتے وہ آگ کے چنگار

انہی چنگاروں کے بیچ

ایک پھیلا ہوا غبار

اس پھیلے غبار میں

مدھم سا دکھتا پیار

www.novelsclubb.com

جو کھو گیا، الگ ہو گیا

اور میں جو تھا، تلاشتا رہا نکار

اسی دوڑ و چنگار کے بیچ

ابھرا تھا اک شرار

بکھیرا اک تبسم سا

چھڑک دی جیسے بہار

وقت کے ہاتھوں ملی بے مولی

کو بنایا اک وقار

وقت کے چلتے پہیے پر

ملا تھا اک وہ یار

(از خود)

www.novelsclubb.com

کاجیادو، کینیا

چوبیس مارچ،2024

شام کے ڈوبتے سائے کاجیادو پر پڑے تو گرمی کی شدت میں از حد اضافہ ہو گیا۔ایک حبس سا تھا جس نے سانس لینا بھی اجیرن کر رکھا تھا۔آسمان پر بہت سے بادل تھے جو کہ شام کی ڈھلتی روشنی کے نارنجی آسمان پر گہرے جامنی سے لگتے تھے۔ایسے میں ایک چار منزلہ ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر دیکھا جاتا تو راہداری میں رمیص تیزی سے آگے ہی آگے بڑھتا ہوا نظر آتا۔سفید رنگ کی ٹی شرٹ کے ساتھ جینز پہنے، وہ ہاتھ پہلو میں لہراتا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔آنکھیں سپاٹ دکھتی تھیں۔

www.novelsclubb.com

وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس کے پیچھے کچھ ہی فاصلے سے کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔وہ چند ایک بار اس تعاقب کار کی پرچھائیاں بھی دیکھ چکا تھا، مگر ابھی وہ رک نہیں سکتا تھا۔ابھی رکنے کا مطلب تھا اس تعاقب کار کو یہ بتلانا کہ وہ اس کی موجودگی سے واقف ہے۔تیزی سے بڑھتے قدموں تلے راہداری میں بچھے سفید چمکتے ہوئے سنگِ مرمر پیچھے ہی پیچھے جاتے محسوس ہوتے

تھے۔ ہوٹل سے نکلتے ہی سامنے ایک جانب ایک سیاہ رنگ کی گاڑی کھڑی نظر آئی تھی۔ وہ جلدی سے آ کر اس میں بیٹھا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی تھی۔ پیچھے تعاقب کار نے ایک کونے میں کھڑی بائیک جلدی سے نکالی تھی اور سیاہ گاڑی کا پیچھا شروع کیا تھا۔

کاجیادو کی سڑکیں چھوٹی بڑی تھیں۔ دیکھنے پر ایک نہایت عام سا شہر لگتا تھا۔ ان چھوٹی بڑی سڑکوں سے ہوتے ہوئے گاڑی بیس منٹ بعد قدرے سنسان سے علاقے کی ایک تنگ سی گلی میں گئی تھی۔ گلی کے دونوں اطراف اونچے اونچے گھر بنے تھے جس سے گلی میں ایک چھایا سی بنی ہوئی تھی۔ شام پوری طرح ڈھل چکی تھی اور اب گہرا جامنی سا آسمان نگاہوں کے سامنے تھا۔

بائیک سوار ابھی گاڑی سے کچھ پیچھے تھا۔ رمیص تیر کی سی تیزی سے گاڑی سے نکل کر ایک گھر کے کھلے دروازے میں گھسا تھا۔ ایک جانب اس نے اپنے پیچھے گھر کا دروازہ بند کیا تھا تو اسی لمحے باہر کھڑی گاڑی زن سے پیچھے بڑھی تھی۔ ریورس گیئر ڈالتے ڈرائیور کے ماتھے سے پسینہ

www.novelsclubb.com

لڑھکتا کنپٹی پر بہہ رہا تھا۔اسی پل بائیک گلی میں گھسی تھی۔بیک ویو مرر میں بائیک دیکھتے ہی ڈرائیور نے ریورس کرتے گاڑی کی رفتار بڑھائی تھی۔اگلے ہی لحظے بائیک کے گرنے کے ساتھ ساتھ انسانی ہڈیاں چٹخنے کی آواز سارے میں گونجی تھی۔ساتھ ہی کئی کراہیں بھی بلند ہوئی تھیں۔مگر مڑ کر دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔گاڑی سوار تیزی سے گاڑی آگے بھگا لے گیا تھا۔

پیچھے دیکھا جاتا تو گلی کے ماربلز سے ڈھکا فرش اب سرخ خون سے رنگتا جا رہا تھا۔بائیک کے ٹوٹے پرزوں کے بیچ وہ تعاقب کار اب تکلیف کی زیادتی سے ہوش کھو بیٹھا تھا۔ڈرائیور اسے اپنی گاڑی کے نیچے بری طرح روندتے اب نجانے کتنا آگے بڑھ نکلا تھا۔

اس بے ہوش لہولہان شخص کو چھوڑ کر اگر ہم اس گھر کے اندر کا منظر دیکھیں تو ہمیں ایک جانب موجود کمرے سے کچھ آوازیں آتی سنائی دیں۔وہ دو تین مردوں کی گڈ مڈ ہوتی آوازیں تھیں۔ذرا آگے جا کر دروازے سے کمرے میں جھانکا جاتا تو میز کے گرد لگی کرسیوں پر ہمیں تین لوگ بیٹھے نظر آئیں۔ان میں سے ایک رمیص تھا۔ہاتھ میں ایک قلم تھامے وہ میز پر پھیلے

www.novelsclubb.com

نقشے پر کچھ لکھ رہا تھا۔اس کے باقی دونوں ساتھی ساتھ ساتھ نقشے پر ہاتھ رکھے کچھ کہہ رہے تھے۔

"وزیر اعظم صاحب کو اٹک جیل میں ڈال دیا ہے اور کسی کو ملنے بھی نہیں دیا جارہا۔"، ساتھیوں میں سے ایک، قدرے بڑی عمر کا آدمی کہنے لگا تو رمیص کی آنکھوں میں افسوس سا ابھرا۔ کتنے خواب دیکھے تھے انہوں نے ملک کے بہتر مستقبل کے۔ کتنے جتن کیے تھے ایک اچھی حکومت قائم کرنے کے لیے۔ مگر سب مٹی میں مل گیا۔ خاک ہو گیا۔

"ان سب کا ارادہ یہی ہے کہ اگلے ایک ہفتے کے اندر اندر ہم تینوں کا کام بھی تمام کر دیں۔ شہادت ہماری منتظر ہے اور ہم شہادت کے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ جانے سے پہلے اپنے ملک کے لیے کوئی بھلائی کر جائیں۔ آپ دونوں میرا ساتھ دیں گے؟"، اس کے پوچھنے پر رمیص اور دوسرے ساتھی نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ وہ دوسرا ساتھی رمیص کا ہی ہم عمر لگتا تھا۔ تینوں کی آنکھوں میں ایک انجانہ سا تاثر دکھتا تھا۔ دکھ کا، اذیت کا، تکلیف کا۔۔۔اور شاید کہیں کہیں خوف کا بھی۔

www.novelsclubb.com

"رمیص، آپ کے پیچھے جو بندہ آ رہا تھا، اس کا کیا ہوا؟"، پہلے ساتھی نے دوبارہ پوچھا تو رمیص نے شانے اچکا دیئے۔

"معلوم نہیں۔ میں تو خود حیران ہوں کہ وہ اب تک یہاں پہنچا کیسے نہیں۔ میں تو یہی سوچ آیا تھا کہ وہ ڈھونڈ نکالے گا مجھے۔"، وہ سادگی سے بولا تو باقی دونوں لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کیا کہتے وہ بھی؟

چند منٹوں بعد وہ گھر کا دروازہ بند کرتا باہر نکلا تھا اور ابھی وہ چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ اس کی نظر ایک جگہ پر جیسے ساکت ہو گئی۔ گلی کے انت پر زمین پہ بہت سارا خون پھیلا تھا۔ گیلا، تازہ، چپچپا خون!

خون کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ رمیص کا دل بے ساختہ ڈوبا تھا۔ پہلا خیال ڈرائیور کا ہی آیا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے جیب سے فون نکالتا ڈرائیور کا نمبر ملا رہا تھا۔ اگلی جانب دوسری ہی گھنٹی پر کال اٹھا لی گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"رفیق۔۔۔تم کہاں ہو؟ ٹھیک ہو؟"، وہ تیزی سے بولا تو رفیق کی خوف میں ڈوبی آواز اگلی جانب سے گونجی۔

"ج۔۔۔جی۔۔۔میں ٹھیک ہوں۔۔۔وہ مجھ سے ناں، اس آدمی کا قتل ہو گیا ہے، رمیص صاحب۔۔۔وہی جو ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔۔۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا، اسی لیے میں وہاں سے بھاگ نکلا۔"، وہ ہکلاہٹ سے بولا تو رمیص کی نظریں اس خون پر جمی کی جمی رہ گئیں۔ وہ خون بہت سارا تھا۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ جس کا بھی خون تھا، اس کے بچنے کے کوئی امکان نہیں تھے۔

اس نے بے اختیار ایک ٹھنڈا سانس بھر کر آسمان کی جانب نظریں اٹھائی تھیں۔ بادلوں کے پیچھے سے کچھ کچھ جھلکتے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ رمیص کی آنکھیں بھی ان ہی کی طرح جھلملائی تھیں۔ صحیح کہتے ہیں کہ وقت نہ ہو تو موت خود زندگی کی حفاظت کرتی ہے۔ اس کا وقت ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اسی لیے اللہ نے کسی دوسرے کی موت کو اس کی زندگی کی حفاظت کے لیے چنا تھا۔

***

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب اس کی آنکھ کچھ کھٹر کنے کی آواز سے کھلی تھی۔ وہ بستر پر چت لیٹا تھا۔ اسی شام والے لباس میں ملبوس۔ بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ الرٹ ہوتا کہنی پر زور دیتے تھوڑا اٹھ کر بیٹھا۔ اے سی کی خنک آواز پس منظر میں گونجتی بہت خواب ناک سا ماحول بنائے ہوئی تھی۔ تاریکی میں آس پاس نگاہیں دوڑاتے اس نے کچھ تلاشنا چاہا تھا۔ مگر جیسے اس پل ایک گہری خاموشی نے ہر ایک شے کو اپنے شکنجے میں لے لیا تھا۔ نہایت کنفیوژن کے عالم میں بستر پر اٹھ بیٹھتے اس نے سائیڈ لیمپ جلائی تھی۔ اگلے ہی پل مدھم سی زرد روشنی کمرے میں چاروں اور پھیل گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

بائیں جانب سے نگاہیں پھیرتے وہ داہنے جانب چہرہ کر رہا تھا جب اسے عین اپنے سامنے ایک بڑا سیاہ ہیولہ نظر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں اگلے ہی پل تیزی سے پھیلی تھیں، وہ گھٹنوں کے بل کھڑا ہونے ہی لگا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتا، مقابل موجود ہیولے نے نجانے کیا پوری قوت سے اس کے سر پر مارا تھا۔ وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا تھا۔ اگلے ہی لمحے سرخ مائع

تیزی سے اس کے سر سے بہتا زمین پر پھیلنے لگا تھا۔ کمرے کی ساکن فضا میں اب کے حملہ آور کی تیز تیز سانسیں لینے کی آواز گونج رہی تھی۔

سفید سنگ مرمر کے فرش پر پڑا رمیص کا بے سدھ وجود دیکھنے پر ایک پل کو بے جان سا لگے۔ اب واش روم کے کھلے دروازے سے ایک اور آدمی باہر نکل آیا تھا۔ کچھ پلوں بعد کمرے میں دیکھا جاتا تو فرش بالکل شفاف نظر آتا۔ بستر بے جھول۔ اے سی اسی رفتار سے چلتا۔

کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ سوائے اس گھڑی کی سوئیوں کے جو پلنگ کے ایک طرف ساکت پڑی تھی۔ گھڑی کا کانچ ٹوٹ چکا تھا۔ شاید بہت کچھ بدل گیا تھا!

***

www.novelsclubb.com

پچیس مارچ، 2024

کا جیادو کے رقبے پر موجود نجانے یہ کون سی جگہ تھی۔ چاروں اور تاریکی ہی تاریکی نظر آتی تھی۔ اسی تاریکی کے بیچ ایک کرسی سے بندھا کوئی وجود تھا۔ سر ڈھلکائے، آنکھیں بند کیے۔ سنہرے بھورے سے بال خون سے چپچپے ہو کر چپک سے گئے تھے۔ اس کے آس پاس چند لوگ جمع

تھے۔ان میں سے ایک کال پر کسی سے محو گفتگو تھا، جبکہ دوسرا اب اس کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یکدم ہی اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔اسی لمحہ شدید قسم کا درد سر میں اٹھتا محسوس ہوا تھا۔اس نے آنکھیں اور لب یکدم ہی میچے تھے۔پھر بہت دھیرے سے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو خود پر جھکا ایک آدمی نظر آیا۔خباثت ٹپکاتا۔اس سے کچھ ہی فاصلے پر ایک اور آدمی تھا جو فون کان سے لگائے اردو میں کسی سے بات کر رہا تھا۔دور دروازے کے پاس ایک اور آدمی مستعد سا کھڑا تھا۔

رمیص نے چند ایک بار پلکیں جھپکائی تھیں۔منظر تو زیادہ واضح نہ ہوا، البتہ بصارت کچھ صاف ہوئی۔اس کے کانوں میں اس شخص کے بولنے کی آوازیں بھی پڑ رہی تھیں۔

"اب کیا کرنا ہے اس کے ساتھ؟"،اس نے مڑ کر ایک نظر رمیص کو دیکھا تھا جو اسے ہی تک رہا تھا۔اگلی جانب سے نجانے کیا کہا گیا تھا کہ وہ سر جھٹک کر خباثت سے مسکرایا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اوکے سر۔۔۔کچھ ہی دیر میں آپ کو گڈ نیوز دیتے ہیں۔"،اس آدمی کا لہجہ ان پڑھ پاکستانیوں سا تھا۔لہجے میں کہیں کہیں گوٹھ کے بدمعاشوں کا سا عنصر بھی محسوس ہوتا تھا۔رمیص کا دماغ جاگ گیا تھا۔سر کا درد ناقابل برداشت ہوتا جارہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔جی جی۔"،بول کر اس نے کال کاٹی تھی اور پھر مڑ کر چلتا ہوا رمیص تک آیا تھا۔وہ سر اٹھائے،آنکھیں گاڑھے،اسی کو دیکھ رہا تھا۔آنکھوں میں کسی قسم کا کوئی خوف نہیں دکھتا تھا۔چہرہ یوں تھا جیسے دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے،اس کے عزم نہیں ٹوٹیں گے۔

"ایک آخری بار کال کرواؤں گا تمہاری زوالفقار صاحب سے۔۔۔ان سے معافی مانگ لو تو کیا معلوم بچ جاؤ۔"،اس کے کمینگی سے بولنے پر رمیص اسے بس اسی ڈھٹائی سے تکے گیا تھا۔آدمی چند ثانیے اسے دیکھنے کے بعد باقی دونوں ساتھیوں کو ہاتھ جھلا کر اشارہ کرتا باہر بڑھ گیا تھا۔پیچھے دروازہ بند کر دیا گیا تو وہ تن تنہا رہ گیا۔

وہ جانتا تھا کہ موت آچکی ہے۔نہ اسے جینے کی وہ تمنا رہی تھی۔اس کا دماغ قبول کر چکا تھا کہ اب وہ نہیں بچے گا۔نجانے کیسے مگر جسم کپکپا سا گیا تھا۔چاہے دماغ قبول کر بھی چکا تھا،مگر دل سکڑ کر

پھیلا تھا۔ کیا موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس کا انتظار کرنا اتنی چھوٹی بات ہے کہ انسان سنسنائے بھی نہ؟

موت۔۔۔

نہ ایک لفظ۔۔۔

نہ ایک شے۔۔۔

یہ تو بس اک ڈر ہے، خوف ہے، انت ہے۔۔۔

مگر ابتداء بھی تو۔۔۔

شاید لمبی مدت کی۔۔۔

کسی جلتی حدت کی۔۔۔

یا پھر کسی راحت کی۔۔۔

یا پھر بس اک انت۔۔۔

www.novelsclubb.com

اور ابتداء کے بیچ۔۔۔

ٹھہرے در کی۔۔۔

***

چھبیس مارچ، 2024

کمرے میں کسی انسان کی جان گسل چیخیں گونج رہی تھیں۔ وہ شاید رو بھی رہا تھا اور کراہ بھی رہا تھا۔ اس کے سامنے کھڑا آدمی ایک آلے سے اس کا ایک ناخن اکھاڑ چکا تھا۔ خون کسی آبشار کی مانند بہتا چلا جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ بھی آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو جہاد کرنے آیا تھا ناں! مجاہد تھا وہ تو!

مگر اس تکلیف کا کیا کرتا؟ اس درد کا کیا کرتا؟

دوسرے ناخن میں آلے کو پھنسا کر اس شخص نے ابلیسی مسکراہٹ سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی احساس نہیں تھا۔ اگلے ہی پل اس نے آلہ دبا کر ایک جھٹکے سے پیچھے کیا تو ناخن سے جڑی کھال چر سی گئی۔ لہو کا ایک دریا تھا جو بہہ نکلا تھا۔ ساتھ رمیص کی چیخیں

بھی گونجی تھیں۔ چیخ چیخ کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ آواز گھٹ گئی تھی۔ دب گئی تھی۔ وہ بھیڑیا اب قہقہے لگا کر ہنستا جا رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر کھڑی میز پر ایک آئی پیڈ سیٹ کر رکھا تھا جس پر اس سمے زوالفقار بٹ کا مردود چہرہ نظر آ رہا تھا۔

اس کے لب ایک جانب سے مسکراہٹ میں اٹھے ہوئے تھے۔ صوفے کی پشت پر ایک ہاتھ پھیلائے، دوسرے سے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا، وہ کوئی شیطان ہی لگتا تھا۔ بے رحم۔ سفاک۔

"تو کہو، رمیص جہانزیب۔ غرور ٹوٹا تمہارا کچھ ؟"، وہ سرد سی مسکراتی آواز میں بولا تھا۔ رمیص نے تکلیف سے پر نم ہوتی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ ان آنکھوں میں تکلیف ہی تکلیف نظر آتی تھی۔ پھر اس کی مدھم سی، مگر صاف آواز سنائی دی تھی۔

www.novelsclubb.com

"غرور نہیں، فخر کہو۔ اور وہ تو میری آخری سانس تک نہیں ٹوٹے گا۔"، اس کی آواز کا عزم، لڑکھڑاتی آواز مگر مضبوط الفاظ۔ زوالفقار کی آنکھیں پل بھر کو جلی تھیں۔ جیسے کسی نے سرخ مرچوں کا انبار ان میں پھونک دیا ہو۔ دانت پیس کر اس نے اسکرین پر نظر آتے درندے کو دیکھا تھا۔

"اکھاڑو ایک اور ناخن۔"، اس کے حکم پر سر ہلاتا اب وہ اس کا ایک اور ناخن اکھاڑ رہا تھا۔ رمیص کی چیخیں سن کر اس کو گویا ایک سکون سا مل رہا تھا۔ یہی تو سوچتے ہیں شیطان صفت لوگ۔۔۔ اپنی انا کو تسکین یوں ہی تو پہنچاتے ہیں۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ پھر ان کے اندر کا لاوا ابلتا ہی رہتا ہے۔ وہ آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی۔

***

اسے اس بے نام سی قید میں آج نجانے کون سا دن ہونے کو آیا تھا۔ اس کے جسم کا پور پور درد کر رہا تھا۔ گردن آگے کو ڈھلکا رکھی تھی یوں کہ اس کا مسخ چہرہ نہ دکھتا تھا۔ بالوں کا برا حشر تھا۔ کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے اور ان جگہوں سے جلد پر موجود گہرے زخم نظر آتے تھے۔ ناخنوں کی جگہوں سے بہا خون اب انگلیوں پر ہی جم گیا تھا۔ اس کے ارد گرد خون کی عجیب سی دل متلانے والی بو اٹھ رہی تھی۔

پچھلی پوری رات اسے ہر طرح سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ان کی واحد کوشش صرف یہ تھی کہ وہ زوالفقار سے معافی مانگ لے۔ اس معافی کے بعد بھی بخشش تو نہیں تھی مگر زوالفقار کو

صرف اپنی انا اور جلتے دل کو تسکین پہنچانی تھی۔ اور رمیص نے تو جیسے قسم کھار کھی تھی۔ چاہے جو ہو جائے، یہ تو نہیں ہو سکتا تھا!

تبھی دروازہ ایک لمبی چرچراہٹ سے کھلتا چلا گیا تھا۔ کل والے آدمی ایک بار پھر آ گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبی بھاری زنجیریں تھیں۔ ساتھ ایک کے ہاتھ میں ایک خنجر بھی تھا۔ رمیص نے سر اٹھانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ بس فرش پر پھیلے اپنے سوکھے خون کو دیکھ رہا تھا۔ کیا اتنا خون بہہ جانے کے بعد بھی کوئی انسان زندہ رہ سکتا ہے؟ اسے سوچ کر ہی حیرت ہو رہی تھی۔

"کیسے ہو لڑکے؟"، خباثت اور صرف خباثت۔ رمیص نے چہرہ نہیں اٹھایا تھا۔ اس آدمی نے آگے بڑھ کر یکدم ہی اسے بالوں سے جکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کیا تو اس کی ایک کراہ نکلی۔ اس کے چہرے پر جھکا اب وہ دھیرے دھیرے سے کہہ رہا تھا۔

"ایک جملہ ہی تو کہنا ہے بس۔ اتنے ڈھیٹ کیوں ہو تم؟"، وہ دانت پیس کر ضبط سے کہہ رہا تھا۔ رمیص نجانے کیسے مگر ہلکا سا مسکرایا تھا۔

www.novelsclubb.com

"وہ صرف ایک جملہ نہیں ہے۔وہ جملہ کہہ دیا تو میرا مقصد ملیامیٹ ہو جائے گا۔جہاد تباہ ہو جائے گا۔شہادت نہ مل پائے گی۔"،اس کے الفاظ سادہ تھے مگر شاید نہیں بھی تھے۔اس کی آنکھوں میں ایک ایسا جذبہ تھا کہ جسے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا تھا۔ان لفظوں نے ایک پل کو اس شیطان کے چیلے کو ساکت کیا تھا۔کیا شے تھا یہ آدمی!

"جانتے ہو کہ آخری حکم کیا دیا گیا ہے ہمیں تمہارے لیے؟"،ایک پل کو جیسے اس کی آنکھوں میں ترس سا ابھرا تھا۔اور رمیص۔۔۔رمیص کو یہ ترس نظر آیا تھا۔بہت۔۔۔بہت برا لگا تھا یہ ترس!اسے نہیں چاہیئے تھا کسی کا ترس، کسی کی ہمدردی۔

"ہمیں کہا گیا ہے کہ اگر تم نے آخر تک معافی نہ مانگی تو تمہاری زبان کاٹ ڈالیں۔۔۔کہو۔۔۔ کیا یہی چاہتے ہو تم؟"،رمیص کے چہرے پر کوئی تاثر نہ ابھرا۔کیا وہ اتنانڈر ہو گیا تھا؟کوئی انسان اتنانڈر کیسے ہو سکتا تھا؟وہ تینوں ورطہ حیرت میں پڑ رہے تھے۔ان کے جسم کے بال کھڑے ہو رہے تھے۔اگر بہادری کی کوئی انسانی صورت ہوتی تو وہ "رمیص" کیوں نہ ہوتی؟کیسے نہ ہوتی؟

www.novelsclubb.com

اب سے کچھ دیر بعد دیکھا جاتا تو آئی پیڈ پر ایک بار پھر ذوالفقار بٹ کنیکٹیکٹڈ نظر آتا۔ رمیص نے ہی کال ملوائی تھی ان سے۔ ذوالفقار کے چہرے پر فتح کی گھناؤنی چمک نظر آتی تھی۔ اس کے تکبر اور غرور کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ہاں وہ شیطان تھا۔ شیطان ہی تو اتنا متکبر ہوتا ہے۔

"تو آخر کار گھٹنے ٹیک دیے ناں تمہارے غرور نے میرے آگے!"، وہ سر جھٹک کر ہنس پڑا تھا۔

رمیص نے اسے سیدھ میں دیکھا تھا۔ سیدھا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔ ذوالفقار نے اسے یوں دیکھا تو نجانے کیوں اس کی ہنسی رک گئی۔ ایسا لگا تھا جیسے وہ اس کے عین سامنے کھڑا اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا ہے۔ ایسا ایک بار پہلے بھی لگا تھا۔

"دشمنوں کو چاہیئے کہ اپنی کرپشن ختم کر کے عوام کی خیر کے لیے کام کریں۔۔۔ سب جانتے ہیں کہ یہ کس کا کام تھا۔۔۔ اور جس کا بھی کام تھا۔۔۔ وہ جان لے کہ وہ رمیص جہانزیب کے پاؤں کاٹ تو سکتا ہے، مگر اس کے قدم ہلا نہیں سکتا۔ میرے قدم اس مٹی سے جڑے ہیں۔ اس ملک کی مٹی سے۔ اس ملک کی فلاح و بہبود کے لیے۔ میرا لیڈر اللہ ہے اور میرا راستہ جہاد ہے۔۔۔"

یہ الفاظ۔۔یہ آج بھی کسی چابک کی مانند لگتے تھے۔

"میری تم سے یہ آخری بات ہے جو میں کر رہا ہوں۔اس کے بعد تم مجھے مروادو گے، میں جانتا ہوں۔"، رمیص نے مدھم مگر صاف آواز میں بات کا آغاز کیا تھا۔وہ تینوں آدمی بھی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"جانتے ہو ذوالفقار کیا ہے؟وہ دو دھاری تلوار جو میرے رسول نے شیر خدا کو دی تھی۔وہ بہادری، ایمان اور انصاف کی علامت تھی۔۔۔جانتے ہو کیا؟میں سوچتا ہوں کہ تمہارا نام ذوالفقار نہیں ہونا چاہیے تھا۔"، وہ صاف لہجے میں کہہ رہا تھا۔ذوالفقار جلتی آنکھوں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔باقی تینوں بھی افسوس سے سر ہلا رہے تھے۔اس لڑکے نے اپنے آپ کو خود موت کے حوالے کر دیا تھا۔

"نہ تو تم بہادر ہو، نہ مومن اور نہ ہی منصف۔جانتے ہو تمہارا نام کیا ہونا چاہیے تھا؟ابلیس۔۔۔ابلیس ہونا چاہیے تھا۔تم میں ابلیسی غرور ہے۔تکبر ہے۔۔۔اور بالکل ابلیس کی ہی طرح ایک روز تم اپنی جنت سے بے دخل ہو جاؤ گے۔یہ میری خواہش تھی کہ میں دیکھ پاتا تمہارا

انجام۔۔۔ مگر اللہ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے سو مجھے جلدی بلا رہا ہے۔ تمہاری رسی اب بھی ڈھیلی ہے۔اس ڈھیل کو اپنی فتح سمجھنے کی غلطی چھوڑ دو۔"، زوالفقار کے جسم میں شرارے سے دوڑ گئے تھے۔ رمیص نے اس کے بھینچتے لب اور سرخ پڑتا چہرا دیکھا تھا۔اور اگلے ہی پل اس نے آنکھیں بند کر کے دھیرے سے کھولی تھیں۔

"أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله."

وہ آہستہ آہستہ پڑھ کر خاموش ہوا اب زوالفقار کو دیکھ رہا تھا۔ زوالفقار نے مٹھی بھینچ کر چہرہ تکبر سے سیدھا کیا تھا۔

"کاٹ دو اس کی زبان۔"

رمیص کے جسم میں سرد سی ایک لہر اٹھی تھی۔اس کی زبان اسی خنجر سے کاٹی گئی تھی جو وہ آدمی اپنے ساتھ لایا تھا۔۔۔ منہ میں خون بھرا ہوا تھا۔اذیت اور تکلیف کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔اسے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔۔۔بہت، بہت زیادہ!

www.novelsclubb.com

آج وہ زبان کٹی تھی کہ جس کے چرچے دنیا بھر میں تھے۔اس نے اپنے الفاظ کھو دیئے تھے۔ وہی الفاظ کہ جن پر اسے بہت فخر تھا۔وہ اگر روز کسی چیز پر اللہ کا شکر ادا کیا کرتا تھا، تو وہ اس کے الفاظ اور ان کی تاثیر ہی تھی۔اس کا دل تڑپ رہا تھا۔تکلیف سے جسم زیادہ مفلوج ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس کے منہ سے خون کے پھپھکے نکل رہے تھے۔

خون،خون اور بس خون۔

***

نجانے کون سا وقت تھا جب وہ بے ہوشی کی سرحدیں پار کرتا ہوش میں آیا تھا۔اس کا جسم درد سے پر حدت ہو رہا تھا۔شاید اسے بخار بھی تھا۔کمرے میں گہری دبیز سی خاموشی چھائی تھی یوں کہ اس کی بھاری ہوتی سانسوں کی آوازیں تک سنائی دیتی تھیں۔۔۔وہ مرا کیوں نہیں تھا اب تک، یااللہ؟ کوئی انسان اتنی تکلیف کے بعد بھی زندہ کیسے رہ سکتا تھا؟ کیوں اس کی برداشت کی حد اب تک پار نہیں ہوئی تھی؟

تاریکی سے سن پڑے کمرے میں اگلے ہی پل باہر سے آتی کچھ آوازیں پڑی تھیں۔کوئی آپس میں بات کرتا ہوا کمرے کی جانب چلا آرہا تھا۔یہ دو لوگوں کی گڈمڈ ہوتی آوازیں تھیں۔رمیص دھیرے سے سیدھا ہوا تھا۔

"زوالفقار کیا چاہتا ہے آخر؟"،ان میں سے ایک اکتاہٹ سے کہہ رہا تھا۔

"پتا نہیں بھئی۔خدا جانے۔"،دوسرا گویا سر جھٹک کر بولا ہو جیسے۔اسی پہر ڈور ناب گھومنے کے ساتھ ہی ایک کلک کی آواز آئی تھی اور اگلے ہی پل دروازہ کھول دیا گیا تھا۔یہ وہی دونوں لوگ تھے۔ان میں سے ایک کے ہاتھ میں سرمئی وسیاہ سی ایک بھاری پسٹل تھی۔چہرے بالکل سپاٹ دکھتے تھے۔آج ان کا اصل کام تھا۔وہ ہٹ مین تھے۔ان کا کام صرف پیسے لے کر قتل کرنا تھا۔رمیص کی دفعہ زوالفقار نے انہیں اضافی معاوضہ دے کر تشدد بھی کروایا تھا۔

رمیص کی نظر پسٹل پر پڑی تو جیسے ٹھہر سی گئی۔ساکت۔ساکن۔

ایک دھند سی چھائی تھی۔

ایک آئینہ ہو جیسے جو دھندلا پڑ گیا ہو۔

اسی دھندلے آئینے کے پار چند مناظر ابھر کر غائب ہو رہے تھے۔غائب ہو کر ابھر رہے تھے۔

خوشیوں سے جگمگ کرتا، قہقہوں سے پرنم ایک گھر۔۔۔ایک خاندان۔۔۔ جس کی اینٹ اینٹ اس نے محنت سے کھڑی کی تھی۔نگاہوں کے سامنے ایک ایک شناسا چہرہ گھوم کر رہ گیا تھا۔ مسکراتی ہوئی بھوری مائل سبز آنکھیں۔اچھلتے کودتے چھوٹے سے رمیص کی بے ربط جھلکیاں۔۔۔کچھ لوگ۔کچھ باتیں۔کچھ آنکھیں۔کچھ یادیں۔۔۔

ان دونوں آدمیوں میں سے ایک چلتا ہوا ایک جانب کو گیا اور اس نے دیوار پر ہاتھ مارا تھا۔اگلے ہی پل دیوار کا وہ حصہ ایک روشن دان کی طرح کھل گیا تھا۔دھوپ کی تپتی کرنیں فضا چیرتی ہوئی سیدھی رمیص کے چہرے پر پڑی تھیں۔اس کی آنکھیں بے اختیار چندھیا گئی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"موت"

کوئی موت سامنے رکھے تو کیا ہوتا ہے؟شاید زندگی یاد آتی ہے۔زندگی۔۔۔

جو کئی لمحات میں ہمیں بھاری محسوس ہوتی ہے۔۔۔

جو تکلیفوں اور اذیتوں کی تپش سے بدن کو جھلسا دیتی ہے۔۔۔

روح تھکا دیتی ہے، دل دکھا دیتی ہے۔۔۔

جو پل پل سسکنے پر مجبور بھی کر دیتی ہے مگر چھٹکارا ناممکن بنائے رکھتی ہے۔۔۔

مگر جب وہی زندگی دور جاتی محسوس ہو تو؟ جب زندگی اور موت کے بیچ بندھی گرہ کھلنے لگے تو؟ جب سانسوں کی ڈور ٹوٹنے لگے تو؟ تو سب سے زیادہ یاد "زندگی" ہی آتی ہے۔

رمیص نے چہرہ اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا تھا۔ بندوق کی نال اس کے ماتھے کی جانب تھی۔ اس کی آنکھیں ساکت تھیں۔ وقت تھم سا گیا۔ کمرے اور دنیا کی ہر اک شے ساکت ہو گئی۔ انگلی ٹریگر پر تھی۔ اس کی آنکھیں بندوق کی نال پر تھیں۔

"تم کلمہ پڑھ چکے ہو۔ دنیا کو الوداع کر دو۔"، ابلیس کے چیلے نے سرد مہری سے کہا تو رمیص نے پل بھر کو آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"اللہ"، اس کے دل نے ایک آخری صدا دی تھی۔ ٹریگر دبا تھا اور ٹھاہ کر کے ایک گولی تیزی سے نال کو پار کرتی، لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کا ماتھا چیر گئی تھی۔ ایک جھٹکے سے اس کی

گردن اسی پل ایک جانب کو ڈھلک گئی تھی۔ گولی کے زخم سے نکلتا خون چہرے کو سرخ کرتا جا رہا تھا۔ بہتا جا رہا تھا۔ رمیص جہانزیب روز حشر تک کے لیے نیندِ مرگ میں ڈوب گیا تھا۔

فرش پر پھیلے سوکھے خون میں تازہ خون گڈ مڈ ہوتا چلا گیا تھا۔ وہ دو آدمی اب کسی کو کال ملا رہے تھے۔ باہر کی دنیا چلتی جا رہی تھی۔ آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ کسی کو کیا خبر کہ ایک وجود کی زندگی کا دیا گل ہو گیا۔ دنیا بڑھتی رہی۔ لمحات بیتتے رہے۔ زندگی چلتی رہی۔

بس ایک سانس کا ہی فرق تو ہے زندگی اور موت کے بیچ!

***

موجودہ دن۔۔۔

کاجیادو، کینیا۔۔۔

دوپہر ڈیڑھ بجے کا وقت تھا۔ اوائل دسمبر کے دن تھے۔ ہر شے کاجیادو کے سورج کی زرد شعاؤں میں نہائی محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں منظر ایک چار منزلہ عمارت کا ہے۔ یہ ایک ہوٹل

www.novelsclubb.com

تھا جس کے دوسرے فلور کے ایک کمرے میں اس وقت گہری خاموشی کا راج تھا۔ ہر ایک شے ساکن ہو جیسے۔

اسی سکوت میں گھری وہ بیٹھی تھی۔ چہرہ جھکا کر اپنی گود میں دھرے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی۔ نگاہیں خاموشی جھلکاتی تھیں مگر اندر۔۔۔اندر تو ایک طوفان برپا تھا۔ آج۔۔۔ یہاں کی عدالت میں ان کی آخری پیشی تھی۔ چند دنوں پہلے پہلی پیشہ ہو چکی تھی اور آج فیصلہ سنایا جانا تھا۔ آج قاتلوں کو کٹہرے میں بھی کھڑا ہونا تھا۔ سب کچھ صحیح تو ہو رہا تھا۔ مگر پھر کیوں اس کا دل بے چین تھا؟ کیوں سکون خفا تھا اس سے؟ کیوں اضطراب تھمتا نہیں تھا؟

سیاہ عبائے اور اسکارف میں ملبوس غزل خاموش مورت لگتی تھی۔ جیسے اس کے آس پاس سناٹوں نے ڈیرا جمار کھا ہو۔ وہ تیار تھی۔ اسے تیار رہنا ہی تھا۔ اسی پل دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو وہ ایک گہرا سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پلنگ پر پڑا اپنا نقاب اٹھا کر لگایا اور پھر سر اٹھاتی دروازہ کھولے باہر چلی آئی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے اس کی نگاہیں بھٹک کر بے ساختہ ہی سامنے کھلے ایک کمرے کے دروازے تک گئی تھیں۔ وہ کمرہ آج بھی سیلڈ تھا۔ اندر کمرے کا منظر یہاں سے

www.novelsclubb.com

تھوڑا بہت نظر آتا تھا۔اس کے ہمراہ چلتے ارشد صاحب نے اسے وہاں دیکھتے پایا تو افسردگی سے چہرہ جھکائے اس کے شانے پر تھپکی دی۔

"تم تیار ہو ناں؟"،وہ جیسے ایک یقین دہانی چاہتے تھے۔غزل نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ہاں وہ تیار تھی۔آج اس کے صبر کا سب سے بڑا امتحان تھا۔رمیص کے قاتلوں کو نگاہوں کے سامنے دیکھ کر بھی ان کو کچھ نہ کر پانا ہو گا۔سب کچھ جانتے ہوئے بھی اصل مجرم کا معصوم ہونا سننا ہو گا۔صبر تو بہت چاہئیے تھا۔

اب سے کچھ دیر بعد دیکھا جاتا تو ایک ہلکی بھورے رنگ کی پرانے طرز پر بنی عمارت کا منظر نظر آتا۔یہ ہائی کورٹ آف کینیا تھا۔ایک جانب کھڑی گاڑی میں سے پچھلی نشست پر سے غزل اور ارشد باہر نکلے تھے تو اگلی دونوں نشستوں سے عالم صاحب اور فیضان اترے تھے۔ان سب کے چہرے حد درجہ سنجیدہ تھے۔عمارت کے اندر کی جانب بڑھتا ہر قدم بھاری سے مزید بھاری ہوتا جا رہا تھا۔

چند لمحات بعد۔۔۔

www.novelsclubb.com

چہ میگوئیوں میں گھرا کورٹ کا یہ چیمبر سفید دیواروں سے رنگا تھا۔ایک جانب لگی نشستوں پر غزل ارشد کے ہمراہ بیٹھی تھی۔ان کی نشست کے عین پیچھے والی نشستوں پر عالم صاحب اور فیضان بیٹھے تھے۔ان دونوں کے چہرے بھی حد درجہ سنجیدہ تھے۔اگلی جانب لگی نشست پر وکیل دفاع بیٹھا تھا۔اس کے ساتھ ہی تین لوگ سر جھکائے بیٹھے تھے۔غزل کی نگاہیں دور سے بھی ان تینوں پر ہی ٹکی تھیں۔

ان کے ہاتھ خون سے رنگے نظر آرہے تھے۔چہرے بگڑے ہوئے بدصورت وبدھے۔ان کے سبز لباسوں سے اسے کافور کی بو اٹھتی محسوس ہورہی تھی۔کپڑوں پر جگہ جگہ سرخ بدنماد ھبے نظر آرہے تھے۔اس کی آنکھیں سخت سے سخت ہوتی چلی گئی تھیں۔اتنی سخت کہ ان پر بے جان ہونے کا گمان ہوتا۔

کچھ ہی دیر میں عدالت کی کاروائی شروع کی گئی تھی۔پہلے پراسیکیوٹر اٹھ کر سامنے آیا تھا۔بلند آواز میں اب وہ جج صاحب کو چند اہم باتیں گنوار ہا تھا۔چونکہ یہ پہلی پیشہ نہیں تھی سو کافی ساری باتیں پہلے ہی ہو چکی تھیں۔ہر گزرتا لمحہ ایک سناٹا سا پیدا کر رہا تھا، جس میں پراسیکیوٹر کی بھاری

www.novelsclubb.com

متوازن آواز خاموشی کو چیرتی محسوس ہو رہی تھی۔ پراسیکیوٹر کے بعد وکیل دفاع اپنی میز کے پیچھے سے ہوتا ہوا سامنے آیا تھا۔ جب بولا تو آواز سنجیدہ تھی۔

"محترم جج صاحب، میرے موکلین پر لگائے گئے الزامات انتہائی سنگین ہیں، لیکن میں عدالت سے گزارش کرتا ہوں کہ ثبوتوں کو بغور پرکھا جائے۔"، بولتے ہوئے وہ پراسیکیوٹر کی جانب گھوما تھا۔

"یہ الزام کہ میرے موکلین نے مقتول رمیص جہانزیب کو قتل کیا، صرف قیاس پر مبنی ہے۔ نہ کوئی واضح چشم دید گواہ موجود ہے، نہ کوئی تصویری ثبوت۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ عدالت اس پہلو کو نظر انداز نہ کرے۔۔۔"، وہ کہتا جا رہا تھا اور غزل کی مٹھی بھینچتی چلی جا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے یہاں یہ سب سننا ہو گا۔

"محترم جج صاحب، جہاں تک میرے موکلین پر لگائے گئے الزامات کا تعلق ہے، عدالت کو یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ موجودہ ڈیجیٹل ثبوت اور ای میلز مقتول رمیص جہانزیب کی بیوی کی طرف سے فراہم کیے گئے ہیں، جن میں وزیر اعلیٰ سندھ کی ملوثیت کی طرف اشارہ ہے۔

میرے موکلین کے شامل ہونے کی کوئی دلیل اس سے نہیں ملتی۔۔۔جہاں تک بات رہی طلال اویس کی توان کے علاوہ کوئی عینی شاہد مدعی کے پاس موجود نہیں ہے۔۔۔اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ آج طلال اویس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے جس کے باعث وہ یہاں موجود بھی نہیں ہیں۔۔۔"، وکیل دفاع کی ہر ہر بات جسم میں شرارے دوڑا رہی تھی۔ ظلم کے سامنے کھڑے ہو کر، اسے دیکھتے، جانتے بوجھتے ڈیفینڈ کرنا۔۔۔یہ کہاں کی انسانیت تھی؟

غزل نے ایک گہرا سانس لیتے ضبط کیا تھا اور پھر مڑ کر ارشد صاحب کو دیکھا تھا۔انہوں نے تسلی دینے کے سے انداز میں آنکھیں بند کر کے کھولی تھیں۔ غزل نے پراسیکیوٹر کو دیکھا تو اس نے ہلکا سا مسکرا کر سر نفی میں ہلایا اور پھر ارشد صاحب کے ذرا قریب ہوا، یوں کہ اس کی آواز غزل تک بھی جا رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"وکیل دفاع اپنا کام کر رہا ہے۔ یہ اس کی جاب ہے۔ ورنہ جانتا وہ بھی ہے کہ کون غلط ہے۔ آپ فکر نہیں کریں، یہ میرا کام ہے کہ مجھے اپنا موقف کیسے ثابت کرنا ہے۔"، بول کر وہ پھر سے مڑ کر وکیل دفاع کو دیکھنے لگا تھا۔ غزل نے نگاہیں پھر سے ان تینوں آدمیوں کی جانب پھیری تھیں

مگر اب کی بار وہ ایک لمحے کو ٹھہری تھی۔ان تینوں میں سے ایک چہرہ اٹھائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر مار پیٹ کے نشانات صاف واضح تھے۔آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔غزل نے سر جھٹکا تھا۔

کچھ دیر بعد تینوں ملزمان کو کٹھرے میں بلایا جانے لگا تھا۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ ہم نے رمیض کو اغواء کیا تھا، مگر صرف پیسوں کے لیے کیا تھا۔اسے لوٹ کر ہم نے اسے جانے دیا تھا۔راستے میں اس کا گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس سے وہ مر گیا۔ہم لٹیرے ہیں، صاحب۔قاتل نہیں۔"،ان میں سے ایک کٹھرے میں کھڑا کسی رٹے رٹائے سبق کی طرح بولتا گیا تھا۔چند ایک غیر ضروری سوالات کے بعد اسے جانے دے دیا گیا۔وہ واپس اپنی نشست پر آکر بیٹھ گیا تو دوسرا ملزم بھی یونہی جا کر بول آیا۔غزل نے ایک آخری نگاہ اس تیسرے آدمی کو دیکھا تھا۔قد کاٹھ کا لمبا چوڑا وہ آدمی پچاس سال تک کا لگتا تھا۔بکھرے بال

www.novelsclubb.com

کانوں سے نیچے تک آتے تھے۔ ہتھکڑیوں میں مقید ہاتھوں کے ساتھ وہ اگلے ہی پل اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

چند ہی پلوں بعد وہ کٹہرے میں کھڑا تھا۔

"جی جان کریم۔ بتائیں۔"، وکیل دفاع نے کہہ کر پیچھے نشستوں پر نظر ڈالی تھی۔ آخری نشست پر ایک درمیانی عمر کا آدمی بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں جان پر تھیں۔ جان کٹہرے میں کھڑا اب کے چہرہ موڑے فیضان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سرخ پڑتی آنکھیں لیے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ پھر جان نے باری باری ان چاروں کو دیکھا تھا۔ غزل پر آ کر اس کی نگاہیں ٹھہری تھیں اور پھر وہ سر جھکا گیا تھا۔ جب سر اُٹھایا تو آنکھیں سخت دکھتی تھیں۔۔ جیسے وہ کوئی حتمی فیصلہ لے چکا ہو۔ جب بولا تو آواز بالکل سرد تھی۔

www.novelsclubb.com

"چوبیس مارچ کی رات ہم تینوں رمیص جہانزیب کے ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ سو رہا تھا۔"، وکیل دفاع نے اتنی زور سے گردن اس کی جانب پھیری تھی کہ باقاعدہ ہڈی چٹخنے کی آواز تک سنائی دی تھی۔ ساتھ بیٹھے دونوں ملزمان کی حالت بھی غیر ہونے لگی

تھی۔جج بڑے غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔غزل ساکت سی اسے سن رہی تھی۔وہ اب بھی کہتا جا رہا تھا۔

"ہم نے اسے تقریباً چھ روز حبسِ بے جا میں رکھا۔اس پر بہت تشدد کیا۔بیچ بیچ میں زوالفقار بھی کال پر اس سے بات کیا کرتا تھا۔زوالفقار کا حکم تھا کہ رمیص کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جائے اور ایک بار وہ گھٹنے ٹیک دے تو اسے ختم کر دیا جائے۔ہم نے بہت کوشش کی کہ وہ ہار مان لے مگر وہ۔۔۔"، جان کی آنکھیں چمکی تھیں۔اور پھر وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔"وہ نجانے کس شیر کی اولاد تھا۔اس پر کسی دھمکی، کسی تشدد کا کوئی اثر نہ ہوا۔اسے مارنے سے ایک دن پہلے ہم نے اس کی زبان کاٹی تھی۔۔۔اور آخری الفاظ میں اس نے اپنے خدا کو یاد کیا تھا۔میں حیران ہوا تھا اس کے ایمان پر۔"، ہیزل آنکھوں کی سختی پانی بن کر آنکھوں سے ٹوٹ پڑی تھی۔یہ داستان تو وہ آج سن رہی تھی۔ہمیشہ صرف اپنی طرف کی اذیت ہی تو دیکھی تھی اس نے۔اصل تکلیف تو رمیص نے جھیلی تھی۔۔۔اور کیسے جھیل لی تھی،اس بات پر وہ حیران تھی۔

www.novelsclubb.com

"تیس مارچ کی دوپہر ہم نے اسے ماتھے میں گولی ماری تھی، جس سے وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا تھا۔ گولی خادم نے چلائی تھی۔اس کے بعد ہم نے رمیص کی باڈی کو رات کے اندھیرے میں ہی واپس اس کے ہوٹل روم میں چھوڑ دیا اور روپوش ہو گئے۔۔۔ مگر یہ ہمیں بعد میں پتا چلا کہ ہوٹل کے ایک ملازم، طلال اویس نے ہمیں اس رات دیکھ لیا تھا۔"، آنسو اس کی آنکھوں سے پھسلتے جارہے تھے۔چہرہ دہک رہا تھا۔کان کی لوئیں تک سرخ پڑ رہی تھیں۔

"میں یہ سب یہاں کیوں بتا رہا ہوں؟"، اب کہ وہ بولا تو آواز ٹوٹ سی گئی۔اس نے نگاہیں پھیر کر جج کو دیکھا تھا۔وہ بڑے سنجیدہ دکھائی دیتے تھے۔ٹرانسلیٹر انہیں ساتھ ساتھ ترجمہ کر کے بتاتا جا رہا تھا۔

"رمیص کے مرنے کے دو ماہ بعد میں نے ذوالفقار سے کہا تھا کہ ہمیں قبول کر لینا چاہیے کہ یہ ہمارا کام ہے۔میں نے رمیص سے پہلے بھی بہت لوگوں کو مارا تھا۔مگر رمیص کی آنکھیں۔۔۔"، وہ پل بھر کو ٹھہرا تھا۔"رمیص کی آنکھیں میں بھول نہیں پاتا۔وہ پہلی آنکھیں

www.novelsclubb.com

تھیں جنہوں نے موت سامنے دیکھ کر بھی منت نہیں کی تھی۔زندگی کی بھیک نہیں مانگی تھی۔

وہ آنکھیں عجیب تھیں۔بہت عجیب۔"

ارشد صاحب نے ایک گہرا نم سانس لے کر غزل کو دیکھا تھا۔وہ یک ٹک جان کو دیکھ رہی تھی۔ بغیر پلکیں جھپکائے۔

"زوالفقار نے مجھے منع کیا اور دھمکی دی کہ اگر میں نے اپنا منہ کھولا تو وہ پاکستان میں موجود میرے خاندان کو ختم کر دے گا۔کیس شروع ہوتے ہی میری بیوی اور بیٹے کو اس نے نظر بند کر دیا تھا۔میں نے اس سے بہت التجا کی کہ انہیں جانے دے مگر وہ اسی بات پر مصر تھا کہ جب تک میں گواہی اس کے حق میں نہ دے دوں،وہ انہیں جانے نہیں دے گا۔۔۔اور اس کی یہ ضد میرے جوان بیٹے کو کھا گئی۔وہ تھیلیسیمیا کا مریض تھا۔اس کا علاج ضروری تھا۔وہ علاج کے لیے ہسپتال نہیں جا سکا۔۔۔اور۔۔۔"،اس نے تکلیف سے آنکھیں موند کر چہرہ جھکا دیا تھا۔

"اور کل وہ مر گیا۔"

www.novelsclubb.com

کورٹ روم میں موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔اس سناٹے میں خلل صرف جان کی دبی دبی سسکیاں ڈال رہی تھیں۔

"میں نے ساری زندگی بہت سے لوگوں کو ان کے پیاروں سے چھینا۔۔۔اور اب مجھ سے میری سب سے پیاری چیز چھن گئی۔کیا مقصد میری زندگی کا اب؟"، شاید وہاں موجود کچھ لوگوں کو اس سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ مگر غزل کو اس سے بالکل ہمدردی نہیں ہو رہی تھی۔ اسے ترس صرف اس کے معصوم بیٹے پر آیا تھا جسے اپنے باپ کے کیے کی بھینٹ چڑھنا پڑا۔۔۔ جان کٹہرے سے اتر آیا تھا۔وکیل اور باقی دونوں ملزمان اسے کوس رہے تھے۔کچھ دیر بعد جج صاحب نے کہنا شروع کیا تو سب سراپا کان بنے انہیں سننے لگے۔

www.novelsclubb.com

“عدالت نے آج پیشی کے دوران ملزم کا براہِ راست بیان سنا ہے۔ملزم نے بغیر کسی دباؤ، زبردستی یا وعدے کے، اپنے آزاد ارادے سے یہ اعتراف کیا ہے کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مقتول رمیص جہانزیب کو قتل کیا۔عدالت اس اعترافِ جرم کو مکمل طور پر رضا مندانہ، واضح اور قابلِ قبول قرار دیتی ہے۔پراسیکیوشن کی جانب سے پیش کیے گئے شواہد،

فرانزک رپورٹس، اور ملزم کے اعترافِ جرم کو سامنے رکھتے ہوئے، عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ملزمان قتلِ عمد کے مجرم ہیں۔ کینین پینل کوڈ سیکشن 203 اور 204 کے تحت قتلِ عمد (Murder) ایک غیر ضمانتی اور سخت سزا کا جرم ہے۔ چنانچہ عدالت، تمام قانونی تقاضے پورے کرتے ہوئے، یہ فیصلہ سناتی ہے کہ ملزمان کو قتلِ عمد کے جرم میں عمر قید (Life Imprisonment) کی سزا سنائی جاتی ہے۔ ملزمان یہ سزا فوری طور پر شروع کریں گے، اور انہیں کینیا کی متعلقہ اصلاحی جیل میں منتقل کیا جائے۔"، ٹرانسلیٹر نے جیسے ہی بات مکمل کی، غزل نے تڑپ کر عالم صاحب کو دیکھا تھا اور انہوں نے اگلے ہی پل پراسیکیوٹر کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"سزائے موت کیوں نہیں سنائی ان کو؟"

"کینیا کے قانون کے مطابق سزائے موت موجود تو ہے، یعنی قانونی طور پر دی جاسکتی ہے لیکن 1987 سے اب تک کسی کو پھانسی نہیں دی گئی۔ عملی طور پر سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل

www.novelsclubb.com

کر دیا جاتا ہے صرف۔"، پراسیکیوٹر بولا تو غزل نے آنکھیں موند کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا یا۔ جج صاحب اب آخری کے الفاظ ادا کر رہے تھے۔

"عدالت واضح کرنا چاہتی ہے کہ کسی بھی شہری کی جان قانون کے تحت محفوظ ہے، اور قتل کسی بھی وجہ یا اشتعال کے تحت جائز نہیں۔ یہ عدالت مقتول کے خاندان کے دکھ کو تسلیم کرتی ہے اور امید کرتی ہے کہ یہ فیصلہ انہیں جزوی طور پر ہی سہی، انصاف کا احساس دلائے گا۔۔۔ فیصلہ سنایا گیا۔ عدالت برخاست ہوتی ہے۔"، جج صاحب گاؤن جھٹکتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ایک کیس اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا۔ ہاں بس ایک کیس! ایک کیس ہی تو تھا ان سب کی نظر میں وہ!

غزل سن سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ جان اور باقی دونوں مجرموں کو اب پولیس اہلکار وہاں سے لے کر جا رہے تھے۔ پراسیکیوٹر اب سنجیدگی سے وکیل دفاع سے مصافحہ کر رہا تھا۔ وہاں موجود بہت سے لوگوں کے لیے رمیص جہانزیب صرف ایک کیس تھا، جس کی فائل بھی اب پچھلے لاتعداد کیسز کی طرح بند ہو کر پلندوں میں کہیں کھو جائے گی۔

www.novelsclubb.com

مگر رمیص کا خاندان۔۔۔ان سب کے لیے رمیص وہ یاد تھا جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہنی تھی۔ اس پر گزری ہر شے وہ اذیت تھی جو انہیں شاید زندگی بھر محسوس ہونی تھی۔ کچھ لوگ بھلائے نہیں جا سکتے۔ رمیص کو تو بالکل نہیں بھلایا جا سکتا تھا۔

غزل نے متورم سرخ آنکھیں موندی تھیں اور زیر لب بالکل دھیرے سے بولی تھی۔

"تیرے حوالے کر دیا سب، یا اللہ۔ دیر سے کیا، اس کے لیے معاف کر دے۔ مگر اب تیرے حوالے ہی ہے۔"، چند آنسو ٹوٹ کر نقاب میں جذب ہو گئے تھے۔ حلق دکھنے لگا تھا۔ اذیت دینے لگا تھا۔

***

www.novelsclubb.com

دن ڈھلتے سمے شام کے نیلگوں سائے بھی پھیلاتا جا رہا تھا۔ ہوٹل کے اس کمرے میں نگاہیں پھیرائی جاتیں تو بستر پر چہرہ جھکائے وہ بیٹھی نظر آتی۔ وہ بستر پر ہاتھ پھیرتی جا رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا سو اس نے نقاب اتار رکھا تھا، جس کی وجہ سے اس کا چہرہ واضح تھا۔ اس کے چہرے پر کئی زمانوں کا درد رقم نظر آتا تھا۔

آنکھوں کے گرد حلقے، سوکھے لب اور ویران چہرہ۔۔۔

وہ دھیمے سے انداز میں کچھ کہہ رہی تھی۔ دور سے اس کی آواز واضح نہ ہوتی تھی۔ بالکل قریب جا کر سنا جاتا تو اس کے الفاظ کانوں میں پڑتے۔

"یہاں۔۔۔ یہاں پر تمہارے بے جان وجود کو لا چھوڑا ہوا گاناں انہوں نے؟"، اس کے لہجے میں اذیت دیتا ایک تاثر تھا، ایسے جیسے الفاظ کوئی صور ہوں، جو تکلیف پہنچا رہے ہوں۔ پھر اس نے چہرہ اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی کو دیکھا تھا۔ سلور رنگ کی مردانہ رسٹ واچ آج بھی چمکتی نظر آرہی تھی۔ محض اس کا کانچ ٹوٹا ہوا تھا۔۔۔ اور اندر موجود سوئیاں ایک پوزیشن پر ہی ساکت تھیں۔ جاننا چاہو گے وہ وقت کیا تھا؟

www.novelsclubb.com

دو بج کر گیارہ منٹ۔۔۔

یہ تھا وہ لمحہ جب سب تہس نہس ہونا شروع ہوا تھا۔ جب رمیص کو وہ تینوں شیطان اغواء کر کے لے گئے تھے۔ جب وقت پہ نقش خوشیوں پر غموں کی چھاپ پڑنے لگی تھی۔ جب ایک جھٹکا لگا تھا۔۔۔

وہی جھٹکا جو صرف ایک انسان کو نہیں لے کر گیا تھا، بلکہ بہت سوں کی زندگی ویران کر گیا تھا۔

اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اس نے خود سے اور رمیص سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے انصاف دلائے گی۔ اس کے قاتلوں کو بھی وہی اذیت دے گی جس سے رمیص خود گزرا تھا۔۔۔ مگر۔۔۔

مگر وہ ناکام ٹھہری تھی۔ وہ وعدہ ٹوٹ گیا تھا۔ ٹوٹ کر کہیں کھو گیا تھا۔ پیچھے وہ پچھتاووں میں گھری رہ گئی تھی۔ گھڑی کی ساکت سوئیوں کو دیکھتے ماضی حاوی ہونے لگا تھا۔ حال فضا میں کہیں تحلیل ہو گیا تھا۔

(چند سال پہلے۔۔۔

شام ڈھل رہی تھی۔ سردیاں اپنے جوبن پر تھیں۔ راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہونے لگے تھے۔ آج سردیوں کی سرد ترین رات تھی۔ درجۂ حرارت چھ ڈگری ہوا ہوا تھا۔ کراچی میں اتنی سردی شاذونادر ہی کبھی آیا کرتی تھی۔ ایسے میں رمیص جہانزیب کے گھر میں دیکھا جاتا تو لاؤنج کا منظر خوب پر رونق نظر آتا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پورے لاؤنج کو ہیٹر نے گرم کر رکھا تھا۔ایک جانب صوفے پر رمیص اور ارشد بیٹھے گفتگو کرتے نظر آتے تھے تو سامنے ہی دوسرے صوفے پر غزل ثمرین کی ٹانگ کھینچتی نظر آتی۔یہ اس کا پسندیدہ کام تھا۔رمیص اور غزل کی شادی کے شروع شروع کے عرصے میں تو ثمرین دل برداشتہ ہو جایا کرتی تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ سمجھ گئی تھی کہ غزل صرف مذاق کرتی ہے۔اس کے بعد ان دونوں کی خوب جمنے لگی تھی۔

زمین پر بچھے قالین پر ارحم اپنے کھلونے بکھیرے کھیلتا نظر آتا۔بھورے سنہرے سے بال آنکھوں میں جا رہے تھے جس سے تنگ ہو کر وہ بار بار چڑ کر غزل کو دیکھ رہا تھا۔جبھی غزل نے جھک کر ہاتھ سے اس کے بال پیچھے کیے تھے۔وہ ایک بار پھر چہرہ جھکائے کھیلنے لگا تو بال ایک بار پھر گر کر اس کے چہرے پر آ گئے۔اب کے اس نے باقاعدہ منہ سے پھونک مار کر بال ہٹانے کی کوشش کی تھی۔اس کے ایسا کرنے پر ثمرین کھلکھلا دی تھی۔غزل سر جھٹکتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"ہیئر بینڈ لگانا پڑے گا میرے بیٹے کو۔ اتنے سلکی بال لینے کی کیا ضرورت تھی اپنے والد حضور سے ؟"، وہ بولتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئی تو پیچھے ارشد صاحب اور رمیص کے قہقہے بے ساختہ تھے۔ ثمرین اب قالین پر ہی آ بیٹھی، ارحم کے ساتھ کھیلنے لگی تھی۔

کمرے کا دروازہ کھول کر غزل اندر آئی تھی۔ پھر چلتی ہوئی سنگھار میز تک آئی اور دراز میں سے ہیئر برش نکالا۔ ساتھ ہی اپنا ہیئر بینڈ بھی پکڑتی وہ واپس لاؤنج تک آئی تھی۔ اس کے آتے ہی اس کے ہاتھ میں ہیئر بینڈ دیکھتے رمیص یکدم ہی سیدھا ہوا تھا۔

"اے۔ یہ کیا کر رہی ہو ؟"، وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا جلدی سے ارحم کی جانب بڑھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی غزل بھی تیزی سے آگے آئی تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی رمیص ارحم تک پہنچتا اسے گود میں لیے پیچھے ہو چکا تھا۔ اب منظر کچھ یوں تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ رمیص نے ارحم کو پکڑ کر اس کا سر ہاتھوں سے پکڑے اسے پیچھے کر رکھا تھا جبکہ غزل اب انگلی دکھاتی چڑے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔

"میں کہہ رہی ہوں کہ اسے چپ چاپ میرے حوالے کردو، رمیص۔ کب سے تنگ ہو رہا ہے۔"، وہ ایک ہاتھ میں تھاما ہیئر بینڈ دکھاتے بولی تو رمیص نے تڑپ کر سر نفی میں ہلایا۔

"ارے بھئی، یہ میرا بیٹا ہے۔ بیٹی تھوڑی ہے جو ہیئر بینڈ لگاؤ گی۔ بیٹی کے ساتھ اپنی یہ خواہشات پوری کر لینا۔"، وہ سنجیدہ سے روہانسے لہجے میں بول رہا تھا۔ غزل نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"اللہ اللہ۔۔۔ دیکھو تو ذرا۔ gender discrimination کر رہا ہے رمیص جہانزیب۔ اگر تمہارے مداحوں کو یہ معلوم پڑے تو؟"

اس بات پر رمیص نے غزل کو دیکھتے ایک ادا سے سر جھٹکا تھا۔ ایسا کرنے سے اس کے سلکی، سنہری بھورے سے بال لہراتے ہوئے پیچھے ہوئے تھے۔ چہرے پر چڑانے والا تاثر صاف دکھتا تھا۔

"رمیص جہانزیب کوئی gender discrimination نہیں کر رہا۔ صرف مردوں کے حق کے لیے آواز اٹھا رہا ہے۔ عورتوں کے حقوق کی آواز اٹھانے کے لیے تم ہو تو مردوں کو

کیسے اکیلا چھوڑ دوں میں؟"،ان دونوں کی اس بے تکی بحث پر ارشد صاحب اور ثمرین ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔

"رمیص۔۔۔"،اب کے غزل نے دانت پیس کر اس کے نام پر زور دیا تھا۔

"ہاں جانان۔"،وہ آنکھ مارتے ہوئے دل لبھاتے انداز میں بولا تو جہاں ثمرین کا قہقہہ گونجا، وہیں غزل سرخ گلال ہوئی تھی۔اسے سرخ کرتے اب وہ مسکرا کر ایک ابرو اٹھائے اسے وقفے وقفے سے دیکھتے ارحم کے بال سنوار رہا تھا۔انداز۔۔۔اف! کوئی اس کا انداز دیکھے بس!

"رمیص جہانزیب۔ فلمیں کم دیکھا کرو۔"،وہ شرم سے سرخ ہوتی ارحم کے بال بھلائے اب جا کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

"ارے فلمیں کہاں؟ میں تو بس ایک ہی ڈرامے کو دیکھتا ہوں۔روز۔سارا دن۔ہر گھنٹے۔"، اب کے وہ بولا تو غزل نے خفگی سے اسے دیکھا، پھر چہرہ موڑ کر ثمرین اور ارشد کو دیکھا۔وہ دونوں ٹی وی کھولے اس پر کوئی پروگرام دیکھنے میں مگن ہو چکے تھے۔یہ چوہے بلی کی لڑائی

www.novelsclubb.com

ثمرین کو تو روز دیکھنے کو ملتی تھی، وہ بھی مفت۔ ارشد بھی کئی بار اس سے فیض یاب ہو چکے تھے۔)

وقت۔۔۔ لمحات۔۔۔ باتیں۔۔۔ یادیں۔۔۔

سب بھولتا ہی کہاں تھا؟

بھلایا جاتا بھی کیسے ؟

اچھے دن۔۔۔ خوشی کے قہقہوں سے پر نم وہ حسین پل۔۔۔

کیسے بھلائے جاتے ؟

www.novelsclubb.com

***

مانچسٹر کی سفیدی میں ڈھکی سڑکیں ٹھنڈ کا پیام سناتی تھیں۔ درجۂ حرارت منفی میں جاتا ہر ایک شے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔ ایسے میں ایک پولیس اسٹیشن کا منظر نگاہوں کے سامنے نظر آتا۔ ادھر سے ادھر جاتے افسران سیاہ وردیوں میں ملبوس، اپنے اپنے کاموں میں مصروف

تھے۔ایک جانب رکھی میز پر ایک افسر بیٹھا سر جھکائے کسی فائل کا معائنہ کرنے میں مصروف تھا۔

کہ تبھی ایک جھٹکے سے دروازے سے دوڑتا ہوا کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ان سب نے ہی یکدم چہرے اٹھا کر آنے والے کو دیکھا تھا۔وہ پچیس سے تیس سال کے درمیان تک کی ایک لڑکی اور ایک چھوٹی بچی تھی۔سیاہ لمبا اوور کوٹ پہنے، بالوں کو ایک بھورے اسکارف سے لپیٹے، وہ نہایت پژمردہ لگتی تھی۔البتہ فی الوقت چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔آنکھیں گہری سرخ دکھتی تھیں۔

بچی کو گود میں اٹھائے وہ حواس باختگی سے دوڑتی ہوئی اندر بڑھ آئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"اے۔۔۔کیا ہوا؟آپ ٹھیک تو ہیں؟"، فائلز چھوڑتے ہی وہ افسر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔وہ اندر آتے ہی بچی کو گود سے اتارتی زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔جیسے ساری ہمت ختم ہو چکی ہو۔ اب کے پولیس اسٹیشن میں اس کی اونچی اونچی سسکیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ایک جانب سے ایک خاتون افسر تیزی سے چلتی اس تک آئی تھی اور زمین پر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"ہیئے گرل۔مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔"، وہ نرمی سے اس کے چہرے پر ہاتھ رکھتی بولی تھی۔دوسرا نوجوان افسر اب بچی کے آگے گھٹنوں کے بل بیٹھا اس کا چہرہ پونچ رہا تھا۔وہ بھی ماں کو دیکھتی مسلسل دبی دبی آواز میں رو رہی تھی۔

"م۔۔۔میرا شوہر۔۔۔وہ مجھے مار دے گا۔وہ۔۔۔وہ میری بیٹی کو بھی مار دے گا۔۔۔پلیز ہمیں بچا لیں۔"، وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی تو سب نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔پھر وہ خاتون افسر اس کے ذرا اور قریب ہوئی۔

"کیا تمہارا شوہر تمہیں مارتا ہے؟ٹارچر کرتا ہے؟"،اس کے پوچھنے پر لڑکی نے فوراً سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔تم اٹھو۔"،اس کو بازو سے تھام کر اٹھاتے اب وہ افسر اسے لیے کرسی کی جانب لا رہی تھی۔"ادھر بیٹھو آرام سے۔تم اب محفوظ ہو۔"،وہ تسلی دینے کے سے انداز میں کہتی اس کے برابر میں ہی بیٹھ گئی تھی۔پھر بچی کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے اسے اپنے پاس

www.novelsclubb.com

بلایا تو وہ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں لیے اس کے پاس چلی آئی۔ نگاہیں اب بھی اپنی ماں پر ٹکی تھیں جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"فرانسس۔۔۔ان سے ڈیٹیلز لو اور پھر دیکھو ان کے شوہر کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ میں جب تک سر کو اطلاع کر آؤں۔"، وہ کہتی ہوئی اس کا شانہ دھیرے سے تھپتھپاتی اٹھ کر ایک جانب کو چلی گئی تو بچی دوڑی دوڑی آ کر اس کے گلے سے لگ گئی۔

"مما۔۔۔ بابا اب کیا کریں گے ؟ کیا ہمیں مار دیں گے ؟"، اس کے گلے میں دونوں ہاتھ ڈالے وہ ہیزل آنکھوں سے اس کے چہرے پر جواب کھوج رہی تھی۔ وہ لڑکی ساکن سی بیٹھی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ بچی کی بات پر اس نے یکدم ہی آگے بڑھ کر اسے خود میں بھینچا تھا۔ پھر سر نفی میں ہلانے لگی۔

"کچھ نہیں کر سکتے آپ کے بابا۔ اللہ تعالیٰ ہے ہمارے ساتھ۔۔۔اور مما بھی تو ہیں ناں آپ کے پاس۔"

فرانسس نامی افسر اب اس کے سامنے کرسی رکھ کر بیٹھ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

"اپنا نام بتائیں، میڈم۔"، اس نے سر اٹھا کر افسر کو دیکھا تھا، پھر ایک ہاتھ سے چہرہ رگڑتی سیدھی ہوئی تھی۔

"ضوفشاں۔۔۔ ضوفشاں ارشد۔"، اس کے کہنے پر بچی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر افسر کی جانب گھومی تھی۔

"اور میرا نام ایمل ہے۔ ایمل نصیر۔"، وہ آنکھیں پٹپٹا کر معصومیت سے بولی تو وہ ایک پل کو مسکرا دیا تھا۔ اب وہ ان سے چند مزید چیزیں پوچھ رہا تھا۔ پولیس اسٹیشن کی برف سے ڈھکی روش کے آخری سرے پر نظر پڑتی تو ایک شخص تیش سے مٹھیاں بھینچے پیچھے کی اور بھاگا تھا۔ برف کی سفید دبیز تہہ پر اس کے جوتوں کی چھاپ پڑتی دور جا رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

***

کچھ سال قبل۔۔۔

حیدر آباد کے رقبے پر پھیلے آسمان کو آج سیاہ و سرمئی بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ ہر ایک شے گہری چھاؤں میں ڈوبی نظر آتی تھی۔ ایسے میں منظر ایک پرائیویٹ گرلز کالج کے باہر کا ہے۔

چھٹی کا وقت ہوتے ہی کسی ریلے کی مانند لڑکیاں گیٹ سے باہر نکلتی دکھائی دی تھیں۔ان ہی میں ایک ایمان بھی تھی۔سیاہ عبائے اور نقاب میں ملبوس وہ ایک لڑکی کے ساتھ گیٹ سے باہر نکلی تھی۔

"حظیرہ۔۔۔تم مجھے گھر چھوڑ دو گی؟ بارش ہونے والی ہے اور آج مجھے کوئی لینے نہیں آ سکتا۔"، ایمان نے آس سے اپنی دوست کو دیکھ کر پوچھا تھا۔حظیرہ نے آس پاس نگاہ گھما کر اپنی گاڑی ڈھونڈنی چاہی۔مگر پھر مایوس نگاہیں اس کی جانب موڑی تھیں۔

"گاڑی تو آئی ہی نہیں ہے۔۔۔مجھے خود پیدل جانا پڑے گا۔"،اس کے کہنے پر ایمان کے چہرے کی پریشانی بڑھی تھی۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے۔تم بھی نکلو پھر۔میں بھی چلتی ہوں۔"، وہ اس کا شانہ تھپتھپاتی ایک جانب کو چل پڑی تو حظیرہ بھی اپنے راستے چلی گئی۔اس کا گھر یہاں قریب ہی تھا۔مسئلہ ایمان کا تھا۔ کالج اس کے گھر سے آدھے گھنٹے کے فاصلے پر واقع تھا۔اس کے قدموں کی رفتار تیز تھی۔وہ چہرہ جھکا کر بار بار اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھتی تھی، پھر سر اٹھا کر آسمان کو۔ گرج چمک

خوب ہو رہی تھی۔ ابھی وہ کچھ ہی قدم چلی تھی کہ اپنے ہی عبائے میں الجھ کر بری طرح لڑھکی۔ زمین پر گرنے سے ہتھیلیاں بھی چھل کر جلن کرنے لگیں۔ اب کے اسے رونا آنے لگا تھا۔ سر جھکائے ہاتھوں کو دیکھتی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیرنے لگے تھے۔

ایک گہری نم سانس کھینچتی اگلے ہی پل وہ کھڑی ہوئی تھی۔ مزید دو تین قدم ہی چلی تھی کہ ایک بار پھر اس کا پاؤں مڑا۔ ابھی وہ پھر سے گرتی ہی کہ کسی نے اس کو کہنی سے تھام کر گرنے سے روکا تھا۔ اس نے جھکے جھکے بے اختیار چہرہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ اور اب کہ وہ صحیح معنوں میں حیران ہوئی تھی۔ سامنے ارتضیٰ مراد کھڑا تھا۔ وہ متفکر نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو، ایمان؟"، اس کے پریشانی سے پوچھنے پر ایمان کی آنکھوں میں مقید آنسو کسی تواتر کے ساتھ بہنے لگے تھے۔ رضا کی آنکھوں میں جھلکتی فکر بڑھی تھی۔

"کیا ہوا، ایمان؟ تمہیں زیادہ چوٹ آئی ہے کیا؟"، اس کی کہنی چھوڑتے ہوئے وہ ایک قدم قریب آیا تھا۔ پھر چہرہ جھکا کر اس کی متورم آنکھیں دیکھی تھیں جو گلابی پڑ رہی تھیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں، بس ہاتھ چھل گیا تھوڑا۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"، وہ اب آنکھیں رگڑتی چہرہ اٹھائے اس سے پوچھنے لگی تھی۔ وہ دھیما سا مسکرایا تھا۔ اپنے ازلی انداز میں۔

"مجھے رضیہ آنٹی نے بھیجا ہے تمہیں کالج سے لانے کے لیے۔ تمہارے بڑے تایا کی طبیعت بگڑ گئی تھی تو سب گھر والے ان کے یہاں گئے ہیں۔ آنٹی نے کال کر کے مجھے تمہیں اور فاطمہ کو پک کرنے کا کہا ہے۔۔۔ اور مجھے تمہارے گھر کی چابی بھی دی ہے۔ کہا ہے کہ تمہیں دے دوں۔"، کہتے ہوئے اس نے اپنی قمیض کی جیب سے چابی نکالی اور اس کی طرف بڑھائی۔ ایمان نے مزید کسی بات کے بغیر چابی اس کے ہاتھ سے لے لی تھی۔

"اس طرف آجاؤ۔ گاڑی لایا ہوں۔"، کہتا ہوا وہ ایک جانب کو چلنے لگا تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔ نگاہیں رضا کی پشت کو تک رہی تھیں۔ ذہن کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

"رضا۔"، یکدم ہی اس نے اسے پکارا تو وہ فوراً سے مڑا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تم ہمیشہ مجھے ٹھوکر لگنے کے بعد کیوں آتے ہو؟"، نجانے اس کے سوال میں کچھ تھا، آواز میں یا آنکھوں میں۔۔۔ کہ رضا ٹھہر سا گیا۔ وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی مزید کہہ رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"میں لڑکھڑا کر گر جاتی ہوں۔ خود اٹھ بھی جاتی ہوں، اور جب دوبارہ گرنے لگتی ہوں تو تم آ کر مجھے تھام لیتے ہو۔۔۔ پہلی دفعہ میں کیوں نہیں آتے کبھی؟"

رضا کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ظاہری گرنے کی بات نہیں کر رہی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زندگی میں گرنے کی بات کر رہی ہے۔ اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ اس کی غلطی نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ پہنچتا ہی تب تھا جب وہ ایک بار گر کر اپنے دم پر خود کھڑی ہو چکی ہوتی تھی۔ اسے آنے میں دیر ہو جایا کرتی تھی۔۔۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔

وہ چند پل جواب کی منتظر اسے دیکھے گئی تھی۔ وہ خاموش رہا تو سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی۔ رضا کے کان اور رخسار دہکنے لگے تھے۔ آنکھیں زور سے جلی تھیں۔ وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی تو رضا نے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ سارا راستہ گاڑی میں ایک عجیب سی خاموشی چھائی رہی تھی۔ جیسے نہ کہنے کو کچھ ہو نہ سننے کو۔ فاطمہ کو اسکول سے پک کرنے کے بعد جب وہ گھر پہنچے تو اچھی خاصی تیز بارش ہو رہی تھی۔ فاطمہ گھر کی چابی لیے دروازہ کھول رہی تھی جبکہ ایمان بیک ویو مرر میں رضا کو ایک آخری نظر دیکھتی اترنے ہی لگی تھی کہ ٹھہر سی گئی۔

www.novelsclubb.com

"مجھے معاف کردو، ایمان۔"، رضا مدھم لہجے میں سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ جیسے وہ واقعی شرمندہ ہو۔ "تمہارے لیے وقت پر نہ آپانے کے لیے۔ مگر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔۔۔ کہ اگلی بار تمہیں پہلی ٹھوکر بھی نہیں لگنے دوں گا۔ تمہیں پہلی بار بھی گرنے نہیں دوں گا۔"، ایمان ایک پل کو اس کی جانب مڑی تھی۔ اور پھر اسے یوں دیکھا تھا جیسے اس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"دیکھتے ہیں، ارتضیٰ مراد۔ دیکھتے ہیں اگلی بار۔"، اور اگلے ہی پل وہ گاڑی سے نکل گئی تھی۔ پیچھے وہ افسوس سے اسے اندر جاتا دیکھتا رہا تھا۔ ندامت اس کی آنکھوں میں صاف جھلکتی تھی۔

***

کچھ وقت بعد۔۔۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب یکدم ہی اس کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی تھی۔ اس کی سانسیں یوں پھولی ہوئی تھیں مانو وہ صدیوں کا سفر طے کر آیا ہو۔ پیشانی پر پسینے کی بہت سی بوندیں چمک رہی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں تیز تھیں۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھا تھا۔ چہرہ موڑ کر اس نے وال

کلاک پر وقت دیکھا تو رات کے تین بج رہے تھے۔ پرسوں اس کی فلائیٹ تھی۔ آج کا سارا دن پیکنگ اور سب وائنڈ اپ کرنے میں صرف ہو گیا تھا۔

ایک گہرا سانس لے کر اس نے بستر پر دونوں ہاتھ جمائے اپنی گردن پیچھے ڈھلکائی۔ پھر چند پلوں تک یونہی ساکت رہنے کے بعد وہ خود سے لحاف ہٹاتا بستر سے نکل آیا۔ قدموں کا رخ اب واش روم کی جانب تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واش روم سے باہر نکلا تو چہرہ دھلا دھلا یا لگتا تھا۔ وہ روز تہجد میں اٹھتا تھا۔ مگر آج اس کی آنکھ پونہ گھنٹہ قبل کھل گئی تھی۔ اب وہ قبلہ رخ جائے نماز بچھائے نیت باندھتے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی نماز بھی اس کی طرح دھیمی تھی۔ مدھم۔ پر سکون۔ کالم۔

سلام پھیرنے کے بعد اس نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے تھے۔ اس کے دل میں لاتعداد الجھنیں، خوف اور ڈر تھے۔ ان گنت دعائیں تھیں جو کرنی تھیں۔۔۔ مگر اس پل یکدم ہی یوں لگا جیسے زبان مقفل ہو گئی ہو۔ مجال ہے جو ایک دعا اس کی زبان سے آزاد ہو جائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو جمع ہو گئے۔

"یااللہ"، اس نے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے تڑپ کر کہا تھا، اور پھر اگلے ہی پل وہ یونہی چہرہ ہاتھوں میں چھپائے سجدہ ریز ہوا تھا۔ نجانے کیوں یکدم ہی دل بہت بھاری ہو گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کوئی زور سے اس کا دل مٹھی میں بھینچ رہا ہو، پھر آزاد کر رہا ہو، پھر بھینچ رہا ہو، پھر آزاد کر رہا ہو۔ اس نے آج سے قبل ایسا پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

وہ یہاں سے چند مقاصد لیے جا رہا تھا۔ اور ان مقاصد میں سب سے اہم مقصد ایمان تھی۔ اس نے بچپن سے لے کر اب تک ایمان کو بہت سسکتے دیکھا تھا۔ بہت کچھ سہتے دیکھا تھا۔ وہ پہلے اس کا ہمدرد تھا۔۔۔ اور اب اس سے محبت کرتا تھا۔ وہ اسے وہ تمام خوشیاں دینا چاہتا تھا جس کی وہ حقدار تھی۔ یہاں سے جانے سے پہلے وہ اسے خود کے ساتھ جوڑ دینا چاہتا تھا۔ اور اتنے ماہ سے سب پلان کرتے ہوئے اس کے دماغ میں یہی تھا کہ یہ سب تو بہت آسان ہے۔ زاویار صاحب اسے پسند کرتے تھے۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہو گا؟ مگر اب؟

یکدم ہی یہ آزمائش؟ اتنی بڑی آزمائش؟

جس کا کوئی سرا ہی نہ دکھتا تھا؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کیا کرے گا اب وہ؟

کیسے کرے گا؟

پتا نہیں کتنی دیر سجدے میں گزری تھی جب اس نے دھیرے سے سر اٹھایا۔اس کا سر دکھ رہا تھا۔آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔اسے کچھ کرنا تھا۔وہ یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔آنکھیں موند کر ایک گہرا سانس ہوا کے سپرد کرتے اس نے سر اٹھا کر اوپر کی جانب دیکھا تھا، پھر اٹھ کر سائیڈ ٹیبل پر سے اپنا فون اٹھایا تھا۔اس کی انگلیاں اب ایک نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ فون کان سے لگائے مقابل سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"نکاح نہیں تو۔۔۔آپ کو بس اس کی شادی نہیں ہونے دینی، آنٹی۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔"

"بیٹے، ایسے کیسے؟ میں اس کی شادی نہ بھی ہونے دوں، تب بھی تم کیا کرو گے؟ تم تو یہاں ہو گے ہی نہیں؟"، وہ دبی دبی آواز میں پریشانی اور بے بسی سے کہہ رہی تھیں۔رضا نے یکدم ہی سر نفی میں ہلایا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں کوشش کروں گا آنٹی۔ آگے اللہ مدد کرے گا۔ ایمان کی عمر تو نہیں نکلی جا رہی ناں ویسے بھی۔ میں بس آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری مدد کریں۔ مجھ سے کانٹیکٹ میں رہیں۔ کچھ اللہ پر بھی تو بھروسہ رکھیں ناں۔"، تیزی سے بولتے بولتے وہ جیسے یکدم ہی بے بسی سے کہہ اٹھا تھا۔ رضیہ بھی اس نقطے پر یکدم ہی خاموش ہو گئی تھیں۔ کچھ لمحات بعد وہ بولیں تو آواز میں ایک ٹھہراؤ سا محسوس ہوتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں بھی مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا، بیٹے۔"

"جی کہیے۔"، وہ مدھم سے لہجے میں بولا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ اپنی آواز کھوتا جا رہا ہو۔ یوں جیسے الفاظ زبان سے ادا ہو کر ہوا میں کہیں معلق ہو رہے ہوں۔

"تمہیں لوٹ کر آنا ہو گا، رضا۔ تمہیں ایمان کے لیے لوٹ کر آنا ہو گا۔ اس سے وفا نبھانی ہو گی۔ ورنہ روز قیامت میں تمہیں اللہ کے سامنے کھڑا کروں گی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"، ان کا لہجہ اب کے ٹوٹا بکھرا سا، بے بس محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ادھر تو چٹانوں کی سی سختیاں تھیں۔

ارتضیٰ مراد نے سر ہلایا تھا۔

"اللہ نے مجھے مہلت اور زندگی دی تو ضرور۔"

اگلی جانب وہ بھی سر ہلا گئی تھیں۔ باہر رات کے تاریک آسمان پر کہیں کہیں ستارے دمکتے چہرہ جھکائے اس لڑکے کو دیکھ رہے تھے جو ایک بار پھر سجدہ ریز ہو چکا تھا۔ اس بار وہ رو رہا تھا۔

نجانے کیوں؟

***

حال۔۔۔

دن چڑھا تو ہر چیز روشنی میں جیسے نہا سی گئی۔ ہفتے کا دن تھا۔ موسم خوب سرد سا ہو گیا تھا۔ کراچی میں بھی بالآخر سردیوں نے اپنا دیدار کروا ہی دیا تھا۔ آج پو پھٹتے ہی ثمرین حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گئی تھی۔ اس کی خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو اسے جانا پڑا۔ ایسے میں بہادر بھائی تو گھر سے باہر ہی ہوتے تھے۔ بچے زید کے گھر تھے۔ سو ایمان گھر میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔

ناشتہ وغیرہ کر کے اس نے کچن سمیٹا اور پھر لاؤنج میں آبیٹھی۔ کل رات میں دیر سے سونے کے باوجود وہ صبح جلدی اٹھ گئی تھی سو اب سر درد کرنے لگا تھا۔ صوفے کی پشت پر سر رکھے، اس

نے آنکھیں موند کر دو انگلیوں سے پیشانی دبائی تھی۔ پھر ایک گہری سانس لیتی وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ میز پر پڑا اپنا فون اٹھا کر اس نے چند لمحات میں ہی ارتضیٰ کی چیٹ کھولی تھی۔ اس کی چیٹ بھی سن پڑی تھی۔ نجانے اس کو سب کچھ اتنا سن کیوں لگ رہا تھا؟ ویران سا ہو جیسے۔ چند لمحات کے لیے وہ یونہی فون کی جلی اسکرین کو تکے گئی، آنکھوں کے پیچھے، ذہن کے پردوں پر کہیں کئی مناظر ابھرا ابھر رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک یاسیت سی در آئی تھی اس کی آنکھوں میں۔

کچھ لمحات نہیں بھلائے جا سکتے۔۔۔ کیونکہ جو لوگ ان لمحات سے جڑے ہوتے ہیں، وہ ہمارے لیے خاص ہوتے ہیں۔ ہم چاہ لیں یا کوشش کر لیں، ہمارے بس میں کچھ نہیں ہوتا۔ رضا اس کی زندگی سے جا چکا تھا، مگر وہ اپنی سوچوں خیالوں سے اسے کیسے محو کرتی؟ اسے یہ اپنے بس میں نہیں لگتا تھا۔ آنکھوں کے جھلملاتے پانی میں ایک بار پھر اس کا عکس جھلکنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ بیتے کسی پل کا عکس جو پورے ٹھاٹھ سے آج بھی ذہن میں براجمان تھا۔

(دن ڈھلنے لگا تھا۔شام کے چھ بج رہے تھے۔ایسے میں وہ سب روحان کے گھر کی چھت پر اکٹھے تھے۔یہ وہی دن تھا۔۔۔ہاں وہی!

ایک جانب لگی کرسیوں پر ایمان ارتضیٰ کے ساتھ بیٹھی تھی۔سامنے انگیٹھی کے پاس روحان اور کامل بیٹھے تھے۔کچھ ہی فاصلے پر رکھی چارپائی پر میرال سنجیدہ سی بیٹھی تھی۔نگاہیں انگیٹھی میں سلگتے کوئلوں پر ٹکی تھیں۔سب سے لاپرواہ!

ایمان نے بھورے رنگ کے شلوار قمیض کے ساتھ سبز دوپٹہ لے رکھا تھا۔بال فرانسیسی چوٹی میں باندھ رکھے تھے۔چہرہ کھلا کھلا سا لگتا تھا۔اس کے ساتھ ہی ایک کرسی چھوڑے رضا بیٹھا موبائل پر چہرہ جھکائے ہوئے تھا۔چہرہ ازلی سنجیدگی سے سجا،آنکھیں سادگی لیے۔ایمان نے چہرہ پھیر کر دھیرے سے اسے دیکھا تھا۔

"رضا۔"،اس نے چند منٹوں بعد پکارا تو رضا "ہوں" کہتا چہرہ اٹھائے اسے دیکھنے لگا۔آنکھوں میں سوال تھا۔ایمان مسکرائی تھی۔

"مجھے ناں، میتھس کے کچھ سوال سمجھ نہیں آرہے۔ بار بی کیو کے بعد سمجھا دو گے؟"، اس نے ہلکا سا مسکرا کر پوچھا تو رضا نے آنکھیں سکیڑیں۔ پھر موبائل آف کرتا، فرصت سے اسے دیکھنے لگا۔

"میتھس؟ وہ بھی تمہیں؟ تمہیں کب سے میتھس کی فکر ہونے لگی؟"، وہ شاید واقعی حیران ہوا تھا۔ ایمان نے ایک گہرا سانس لے کر ضبط کیا تھا۔ پھر مسکرائی تھی۔

"ابا ٹیسٹ لیں گے کل شام کو میرا اور فاطمہ کا۔ میتھس کا۔۔۔"، اس نے بتایا تو رضا کے لب اوہ کی سی صورت گول ہوئے۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔"، اس کی مسکراہٹ شریر سی تھی۔ ایمان نے لب بھینچے تھے۔

"اچھا بس اب ایسے نہ دیکھو۔۔۔"، وہ چڑ کر بولی تو رضا نے ہنوز یونہی اسے دیکھتے ابرو اٹھائی۔ پھر آنکھیں سکیڑ کر لب گھمائے۔ ایمان نے منہ پھولایا تھا۔

"کہہ رہی ہوں ناں کہ ایسے نہیں دیکھو۔"

www.novelsclubb.com

"کیسے دیکھ رہا ہوں میں؟"، وہ ابرو اکٹھی کیے ذرا حیرت لہجے میں سموئے بولا تھا۔ ایمان نے خود کو کچھ سخت سست کہنے سے روکا تھا۔

"ایسے۔۔۔ عجیب طریقے سے۔"، وہ نروٹھے انداز میں بولی تو رضا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"کیوں ایسے دیکھنے سے کچھ کچھ ہوتا ہے کیا؟"، اور ایمان کی آنکھیں پھیلی تھیں۔ شہد رنگ آنکھیں بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ایسے جیسے آس پاس سب غائب ہو گیا ہو۔ سیاہ اور شہد رنگ کا ارتکاز گڈمڈ ہونے لگا تو ایمان نے یکدم ہی سر جھٹکا۔

"توبہ ہے، پاگل انسان۔ جاہل کہیں کا۔"، وہ توبہ توبہ کرتی رخ موڑ گئی تھی۔ سامنے انگیٹھی کے پاس بیٹھے روحان نے مڑ کر ان دونوں کو دیکھا، پھر سر جھٹکتا مسکرا دیا۔ رضا نے بھی پیچھے سر نفی میں ہلاتے اپنی ہنسی روکی تھی۔ وہ بہت کم گو تھا۔ بولتا بھی تھا تو اتنی مذاق مستی نہیں کرتا تھا۔ مگر کبھی کبھی اس کو بھوت چڑھ جاتا تھا۔ پھر وہ پٹڑی سے اترتا تو سب کو کان چھونے پر مجبور کیے دیتا تھا۔)

دروازے کی بجتی گھنٹی پر ماضی کی یادیں ایک بار پھر سے اپنے خول میں بند ہو گئیں۔ایمان ایک گہرا سانس لیتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔قدم مین گیٹ کی جانب تھے۔چہرہ پھر سے سنجیدہ ہو چکا تھا۔ایسے جیسے کوئی یاسیت اس کے وجود کا کبھی حصہ رہی ہی نہ ہو۔

دروازہ کھولنے سے پہلے اس کی آنکھیں چمکی تھیں۔ان میں خوشی سی جھلکی تھی۔گیٹ کھلتے ہی ہانا کا مسکراتا ہوا چہرہ سامنے آیا تھا۔وہ سر ایک جانب کو ڈھلکائے اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ سیاہ رنگ کی کرتی کے ساتھ کھلی سی جینز پہنے،سیاہ دوپٹہ سر اور شانوں پر ڈالے،وہ اپنے ہمیشہ والے حلیے میں بہت پرجوش سی لگتی تھی۔اسے دیکھتے ہی وہ مڑی تھی۔

"ایمان ہے گھر پر، بابا۔"،اس کے مڑنے پر ایمان کو اس کے والد کچھ فاصلے پر گاڑی کے ساتھ کھڑے نظر آئے تھے۔

"السلام علیکم انکل۔"،وہ مسکرا کر بولی تھی۔

اب سے کچھ دیر بعد دیکھا جاتا تو لاؤنج میں وہ دونوں بیٹھی نظر آتیں۔ایک ہی صوفے پر ٹانگیں اوپر کیے وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ایمان ہاتھ زور زور سے ہلاتی اسے کچھ بتا رہی تھی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جس پر آگے سے برابر کمینٹس دیئے جا رہے تھے۔ چہرے کے تاثرات بتاتے تھے کہ بڑی دلچسپ بات کی جا رہی ہے۔ ذرا قریب جا کر سنا جاتا تو آوازیں واضح ہوتیں۔

"امی کی بات پر تو ان کے چہرے کا رنگ ہی نچڑ گیا۔ میں تو امیجن بھی نہیں کر پا رہی کہ کیا ہوا ہو گا۔"، ایمان کی بات پر ہانا نے لب مسل کر داد دینے والے انداز میں ابرو اٹھائی تھی۔

"واہ بھئی۔۔۔ کیا بات ہے۔"، وہ مسکرا کر بولی تو ایمان بھی مسکرا دی۔ پھر مڑ کر پشت صوفے سے ٹکا گئی۔ کچھ دیر بعد وہ بولی تو آواز ہلکی تھی۔ لہجہ مدھم۔

"پتا ہے تمہیں۔۔۔ میں نے سارا بچپن جس اذیت میں گزارا ہے ناں، میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔۔۔ مجھے اس سب نے بہت عجیب بنا دیا ہے۔۔۔ کبھی کبھار مجھے میں بہت ڈیسپیریٹ لگتی ہوں۔۔۔ کبھی اجنبی۔۔۔ کبھی ٹاکسک۔۔۔ مجھے میں نارمل نہیں لگتی۔"، اس کے لہجے میں بہت اداسی گھلی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بھی نجانے کہاں سے نمی امڈ آئی تھی۔ ہانا نے نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکا رکھی تھیں۔ وہ اب بھی کہتی جا رہی تھی۔ "میں نے زندگی میں بہت سے لوگوں کو کھویا ہے۔۔۔ مجھے سب کے جانے کا دکھ ہے۔۔۔ مگر سب سے زیادہ دکھ پتا ہے کس کو

www.novelsclubb.com

کھونے کا ہے؟"،اس نے سر ہنوز صوفے کی پشت سے ٹکائے نگاہیں ہانا کی جانب اٹھائی تھیں۔وہ سر اثبات میں ہلا رہی تھی۔ایمان بولتے بولتے یکدم ہی چپ ہوئی اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

"خود کو کھونے کا۔۔۔ہے ناں؟"،اور یہاں وہ لاجواب ہوئی تھی۔کیا ہانا اس کا ذہن پڑھ رہی تھی؟ا گر ہاں تو کیسے؟ایسا کیسے ممکن ہو سکتا تھا؟

"ہاں۔۔۔میں نے اپنی شخصیت کھو دی ہے۔۔۔یوں لگتا ہے جیسے کسی صحرا میں ریت کی مانند بکھر گئی ہو۔مجھے میں بہت شکست خوردہ لگتی ہوں۔"،اس کے لہجے میں لڑکھڑاہٹ سی در آئی تھی۔آنکھیں بھرا گئی تھیں۔ہانا اب کے کچھ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔خاموش پڑے گھر میں اگلے ہی پل اس کی سنجیدہ سی آواز گونجی تھی۔

"جانتی ہو ایمان؟ہم زندگی میں بہت بار ایسے مقام تک پہنچ جاتے ہیں جب ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہم ہار گئے ہیں۔جیسے سب کچھ ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسل گیا ہو۔۔۔اور ہم تہی دست رہ گئے ہوں۔۔۔کچھ ٹھیک نہیں لگتا۔کچھ اچھا بھی نہیں لگتا۔"،وہ بولنا شروع ہوئی تو

ایمان کا سر خود بخود ہی اثبات میں ہلنے لگا۔ہاں وہ اسی کی حالت تو بیان کر رہی تھی۔"جانتی ہو ایسے وقت میں انسان کو کیا کرنا ہوتا ہے؟"

ایمان نے ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا۔وہ واقعی جاننا چاہتی تھی۔

"سانس لینا ہوتا ہے،ایمان۔۔۔جب سینے پر سب بہت بھاری محسوس ہونے لگے تو سب سے پہلے ایک گہرا سانس لینا ہوتا ہے۔لو میرے ساتھ ایک گہرا سانس۔"،اس کے کہنے پر ایمان کچھ کنفیوژن کے ساتھ اسے دیکھنے لگی تھی۔ہانا اب آلتی پالتی مار کر بیٹھ رہی تھی۔پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے اور آنکھوں سے ایمان کو بھی یہی کرنے کا اشارہ کیا۔

"چلو اب ناک سے سانس اندر کھینچو۔۔۔تین تک گننا اور پھر منہ کے ذریعے سانس چھوڑ دینا۔"،اس کے کہنے پر ایمان نے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔ہانا نے انگلیوں پر تین تک گنا تھا اور تیسری انگلی اٹھتے ہی دونوں نے ایک گہرا سانس اندر کھینچا تھا۔

"ایک۔۔۔دو۔۔۔"،دھیرے دھیرے سے مدھم لہجے میں ایمان ابھی تین گنتی ہی کہ ہانا نے سانس توڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا کر رہی ہو یہ تم؟"، اس نے ابرو نا سمجھی سے اٹھا رکھے تھے۔ ایمان نے شانے اچکائے تھے۔

"تین تک گن رہی ہوں ناں۔ تم نے ہی تو کہا۔"، اور اب کے ہانا نے حقیقی معنوں میں اپنا ماتھا پیٹا تھا۔

"میری ماں۔۔۔ دل میں گنو ناں۔۔۔ سانس توڑ کر گن رہی ہو ماشاءاللہ سے۔"، اور ایمان بے ساختہ ہی جھینپ کر ہنس دی تھی۔

"اچھا سوری۔"، اب کہ وہ دونوں پھر سے پوزیشن سنبھالے بیٹھی تھیں۔ چند گہری سانسیں لے کر ہانا نے ایمان کو دیکھا تھا۔

"جانتی ہو، ایمان؟ ہماری جنریشن کو ٹھہر کر، سکون کا سانس لینے کی بہت ضرورت ہے۔ ہم اپنی مشکل زندگیوں میں اتنا rush کر دیتے ہیں کہ سانس لینا تک بھول جاتے ہیں۔۔۔ سانس لینا بہت ضروری ہے۔"، وہ مدھم مگر صاف لہجے میں بولتی جا رہی تھی اور ایمان اسے سنتی جا رہی تھی۔ "اگلی چیز کیا کرنی ہوتی ہے ہمیں؟"

"خود پر کام کرنا ہوتا ہے۔"، ایمان نے تکا لگانے والے انداز میں جواب دیا تو ہانا نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں مگر یہ تو آخری اسٹیپ ہوتا ہے۔۔۔اس سے پہلے چند مزید اسٹیپس آتے ہیں۔ سانس لینے کے بعد ہمیں قبول کرنا ہوتا ہے۔۔۔ کہ ہم ٹھیک نہیں ہیں۔ ہمیں ہمارے احساسات کو دبانا یا گھٹانا نہیں ہوتا۔ ہمیں ان کو قبول کرنا ہوتا ہے۔healingتب شروع ہوتی ہے جب ہم ٹھہر کر خود کو یہ یاد کرواتے ہیں کہ ہم ٹھیک نہیں ہیں، ہمیں ٹھیک ہونا ہے۔"، ایمان اسے یک ٹک دیکھتی اور سنتی جا رہی تھی۔ اسے یہ باتیں اور یہ انداز بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"پھر تیسرا مرحلہ ہوتا ہے کچھ چینج لانا اپنی زندگی میں۔ روٹین بدلو۔ کوئی ایکٹیویٹیز ڈھونڈو۔ کچھ ایسا کرو جس سے تمہارے دل کو خوشی ملتی ہو۔۔۔ گنگناؤ، ڈانس کرو۔۔۔ جو جی میں آئے کرو۔۔۔ کچھ ایسا جس سے تمہارے دل کو زندگی محسوس ہو۔ پھر چوتھا مرحلہ ہے اپنے احساسات کو بیان کرو۔۔۔ چاہے کسی انسان سے، رب سے یا ڈائری لکھو۔۔۔ کہہ دینا بہت کچھ

www.novelsclubb.com

سلجھا دیتا ہے۔خاموشی بہت کچھ تباہ کر دیتی ہے۔کہنا سیکھو۔۔۔"،ہانا خاموش ہوئی تو جیسے ایک سناٹا سا چھا گیا۔

"اور اگر کہنا نہ آتا ہو تو؟"،ایمان اب بھی اسے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"تو کہنا سیکھو۔۔۔یہ خود پر کام کرنے کا ایک حصہ ہے۔اور آخر میں صرف یہ یقین رکھنا ہے کہ بعض دفعہ اللہ انسان کو جھٹکتا توڑنے کے لیے نہیں، جھنجھوڑنے کے لیے ہے۔بدلنے کے لیے ہے۔"،ایمان کئی پلوں تک خاموش رہی تھی۔اس کا دماغ ان تمام باتوں کو پراسیس کر رہا تھا۔اسے ان سب پر غور کرنے کی بہت ضرورت تھی۔

www.novelsclubb.com

***

دن کی روشنی میں حیدر آباد میں ٹھنڈ کافی حد تک بڑھ چکی تھی۔دوپہر کا وقت تھا۔ہر ایک شے سورج کی زردی میں نہائی نظر آتی تھی۔ایسے میں زاویار احمد صاحب کے گھر کی جانب سفر کیا جائے تو صحن میں رکھی چارپائی پر زاویار صاحب بیٹھے نظر آئیں گے۔چارپائی سے پاؤں لٹکائے،

سر جھکا کر ہاتھ اطراف میں جمائے وہ کسی گہری سوچ میں غلطاں نظر آتے تھے۔ چہرہ دماغ میں چلتے جھگڑوں کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

اگر ہم ان کے ذہن کے دریچوں میں ذرا جھانکیں تو کچھ سالوں پرانا ایک منظر نگاہوں کے سامنے آتا۔ سیاہ رات۔۔۔ سرد ماحول۔۔۔ اسی سرد ماحول کا ایک سرد سا حصہ وہی صحن۔۔۔ چارپائی کے سامنے دو لوگ ایک دوسرے کے مقابل ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔ آنکھیں خون چھلکانے کی حد تک سرخ تھیں۔

"میں تم سے ایک آخری بار کہہ رہا ہوں، آدم۔ چپ چاپ گلناز سے شادی کر لو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"، زاویار گرجدار آواز میں بولے تو ان کے سامنے کھڑے آدم نے سر جھٹکا۔ پھر چہرہ اٹھا کر سر نفی میں ہلایا۔

"میں ایک عورت کو امید تھما کر آیا ہوں، ابا۔ اپنے نام کی انگوٹھی پہنا آیا ہوں۔ کیسے کسی اور سے شادی کر کے اس کے خواب چکنا چور کر دوں؟"، اس کی آواز انتہائی ٹھہری ہوئی مگر واضح تھی۔

وہ غصے میں تھا، شدید غصے میں۔ مگر اس کا غصہ بھی ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔ دھیما سا۔ بالکل اس کے مزاج جیسا۔

"تو گلناز نے بھی تو تمہارے نام کی انگوٹھی پہنی ہے۔ وہ بھی تو تمہارے نام پر بیٹھی ہے۔"، ان کا لہجہ مدھم ہونے میں آ ہی نہیں رہا تھا۔ لہجے کی گرج اور غراہٹ میں اب بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ آدم ایک پل کو بہت حیران ہوا تھا۔ وہ یہ کیا بات کر رہے تھے ؟

"گلناز کی انگلی میں انگوٹھی میں نے نہیں پہنائی۔ نہ میں نے آپ سے یا اس سے کسی قسم کا کوئی وعدہ کیا۔ جس سے وعدہ کیا ہے اور انگوٹھی پہنائی ہے، اس کو دیکھنا میری ذمے داری ہے۔ میری مرضی جانے بغیر آپ لوگوں نے میرے نام کی انگوٹھی اسے پہنا بھی کیسے دی؟"، وہ بولنے پر آیا تو بولتا چلا گیا۔ وہ واقعی بہت حیران ہوا تھا۔ زاویار صاحب یکدم ہی آگے بڑھ آئے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا گریبان پکڑ لیں۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ میں تمہارا باپ ہوں۔ حق ہے مجھے کہ تمہارے لیے فیصلہ کر سکوں۔"، وہ جلتی انگارہ ہوتی آنکھوں سے بولے تھے۔ آدم نے انہیں عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

"مگر اپنے لیے بولنے اور فیصلہ کرنے کا سب سے زیادہ حق مجھے حاصل ہے۔ اور میرا فیصلہ نتاشہ ہے، گلناز نہیں۔"، تبھی رضیہ نے آکر یکدم ہی آدم کو شانے سے تھاما تھا۔

"آدم، باپ ہے تمہارا۔ غلط تھوڑی سوچے گا تمہارے لیے۔"، وہ منت بھرے لہجے میں اس کا چہرہ اپنی جانب کرتی بولی تھیں۔ آدم حیران ہوا تھا۔ یہ سب کیسی باتیں کر رہے تھے؟

"میں کون ہوں پھر، امی؟ میں اپنے لیے غلط سوچوں گا کیا؟"، کیسے جواب دے رہا تھا وہ، رضیہ لاجواب ہوئی تھیں۔ ہاں ان کا یہ بیٹا بڑا ہو گیا تھا۔

" صحیح ہے پھر، فیصلہ تمہارا ہے۔ نتاشہ یا ہم سب۔ اس ایک کو چن کر تم ہم سب کو کھو دو گے، یاد رکھنا۔"، زاویار صاحب نخوت سے کہتے لمبے لمبے ڈگ بھرتے اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

پیچھے آدم کتنے ہی پلوں تک ساکت کھڑا رہا تھا۔ رضیہ رونے لگی تھیں۔ زاویار صاحب اندر داخل

ہوئے تو پردہ تھامے ایمان کھڑی نظر آئی۔ وہ کافی چھوٹی تھی تب۔ اس کی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ نازک سا وجود ہچکولے کھا رہا تھا۔ ایک نظر کے بعد دوسری نظر ڈالے بغیر وہ اندر کمرے میں چلے گئے تھے۔

اگلی صبح ان پر بہت بھاری بن کر ٹوٹی تھی۔۔۔ کیونکہ۔۔۔

کیونکہ اگلی صبح وہ اٹھے تو آدم گھر پر نہیں تھا۔ وہ جا چکا تھا۔ اس نے نتاشہ اور باپ میں سے نتاشہ کو چنا تھا۔ اس نے باپ کی سالوں کی محبت پر کل کی آئی لڑکی کو ترجیح دی تھی۔ جس باپ نے اس کے لیے اتنا کچھ کیا، اس کے ایک حکم کی تعمیل کے بدلے آدم نے اپنی خواہش کو برتری دی تھی۔ زندگی میں پہلی بار زاویار احمد خان کا غرور خاک خاک ہوا تھا۔ ان کا غرور خاک بھی اسی نے کیا تھا جسے وہ اپنا فخر مانتے تھے۔

"ابا"، فاطمہ کے آواز دینے پر وہ یکدم ہی حال میں واپس آئے تھے۔ وہ ان کے لیے کھانا لائی تھی۔ اسے دیکھتے وہ مدھم سا مسکرائے تھے۔ ان کی مسکراہٹ زخمی سی تھی۔ ان کی ہر اولاد نے

www.novelsclubb.com

ان کا غرور توڑا ہی تھا۔ان کی ہر اولاد نے ان کا نام پاش پاش کیا تھا۔چاہے وہ آدم تھا، زرار، ایمان یا فاطمہ۔۔۔

ان کے شانے جھک چکے تھے۔ان کا وہ رعب و دبدبہ، وہ انداز سب ملیامیٹ ہو چکا تھا۔غرور ڈھے چکا تھا۔کہتے ہیں ناں، کہ ہر عروج کو زوال ہے۔ان کے غرور کا زوال بھی شروع ہو چکا تھا۔

***

اب کے حیدر آباد کے اسی گھر میں پنپتا کچھ سالوں پہلے کا منظر چلاتے ہیں۔وقت کے پہیے کو پکڑ کر پیچھے گھماتے ہیں۔سالوں پیچھے۔یہ عید کا دن تھا۔صحن میں اس وقت آدم، زرار اور زاویار تیار سے کھڑے نظر آتے۔سفید بے داغ قمیض شلوار میں ملبوس، بالوں کو سلیقے سے جمائے، پشت پر ہاتھ باندھے، ایک ہی انداز میں۔

رضیہ اندر سے نکلتی عجلت میں ان تینوں کی جانب آئی تھیں۔ان کے ہاتھ میں پرس تھا اور وہ عبایا پہنے ہوئی تھیں۔

"ایمان اور فاطمہ کہاں ہیں؟"، آدم نے چہرہ ان کی جانب موڑتے ذرا سنجیدگی سے پوچھا۔

"آ رہی ہیں۔"، وہ بولتے ہوئے یکدم ہی ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ ایک پل کو آدم کنفیوژ ہوا تھا، مگر اگلے ہی پل کچھ سمجھتا وہ سر جھٹک گیا تھا۔ پھر فرصت سے زاویار کی جانب گھوما تھا۔

"ابا۔ آپ لوگ گاڑی میں بیٹھئے جا کر۔ میں ان دونوں کو لا کر، گھر لاک کرتا ہوا آتا ہوں۔"، اس کے بولنے پر زاویار سر ہلاتے باہر بڑھ گئے تھے۔

سنگھار میز کے سامنے ایمان کھڑی خالی خالی نظروں سے آئینے میں خود کا عکس دیکھ رہی تھی۔ پیچھے فاطمہ زمین پر بیٹھی اپنی سینڈل کے اسٹریپ باندھ رہی تھی۔ آدم کمرے میں داخل ہوا تو اس نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا، اور پھر گردن موڑ کر ایک نظر ایمان کو دیکھا۔ وہ ان دونوں کی جانب متوجہ نہیں تھی۔

"ایمان۔"، آدم کے پکارنے پر وہ جیسے خیالوں کی ایک دنیا سے باہر آئی تھی۔ گردن پہ ہاتھ پھیرتے اس نے آدم کو دیکھا۔

"جی بھائی۔"، پھر اپنا نقاب اٹھا کر لگانے لگی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا تھا۔ پیچھے فاطمہ بھی اب اٹھ کھڑی ہوئی، اپنا عبایہ درست کر رہی تھی۔

"فاطمہ تم جا کر گاڑی میں بیٹھو۔ ہم آرہے ہیں۔"، وہ سر ہلاتی کمرے سے چلی گئی تو وہ فرصت سے اس کی جانب گھوما۔

"ٹھیک ہو؟"، اس نے بازو سینے پر لپیٹ کر سر کو ہلکا سا جھکا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ڈھیر سارے آنسو ایمان کی آنکھوں میں چمکنے لگے تھے۔ اس نے سر دھیرے سے جھکاتے ہوئے نفی میں ہلایا تھا۔ ایک گہرا سانس لیتا وہ اس کے قریب آیا تھا، پھر اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتا ہلکا سا جھکا۔

www.novelsclubb.com

"اچھی لگ رہی ہو۔"، اس کی بات پر ایمان ایک دم ہی سر اٹھائے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر جب وہ بولی تو آواز مدھم تھی۔

"مجھے میں پہلے اتنی بدصورت نہیں لگتی تھی، بھائی۔ میری نظریں خراب ہو گئی ہیں یا میں واقعی بدصورت ہو گئی ہوں؟"، وہ کوئی جذباتی جملہ نہیں تھا۔ ایک بہت ہی سادگی بھرا سوال تھا۔ آدم کی بھنویں اکھٹی ہوئی تھیں۔

"کیا فضول بات ہے یہ۔"، وہ دبے دبے غصے سے بولا تو ایمان نے شانے اچکا دیئے۔

"فاطمہ سے پوچھوں گی۔"، کہتے ہوئے وہ سائیڈ سے نکل کر جانے لگی تھی جب آدم نے اسے ایک بار پھر شانوں سے کھینچ کر پیچھے کیا تھا۔

"میری بات سنو۔"، وہ اس کی سیاہ آنکھوں میں آنکھیں گاڑھے کچھ سخت و نرم لہجے میں بولا تھا۔ ایمان کی نم آنکھوں میں اذیت سی دکھتی تھی۔ "مجھے، تمہیں، ابا کو، اماں کو۔۔۔ سب کو بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور اس کی بنائی ہر مخلوق، کر انسان خوبصورت ہے۔ یہ بدصورتی کہاں سے آ گئی بیچ میں؟"

"آپ میرا دل رکھنے کو کہہ رہے ہیں یہ۔"، وہ انگلی کی پور سے آنکھوں کی نمی کو سمیٹتے تلخی سے بولی تھی۔ آدم نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"مجھے کیا ملے گا تمہارا دل رکھ کر؟اور تمہاری اس بات کا مطلب تو یہ ہوا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی خلق کی ہوئی مخلوقات میں کمی دکھتی ہے۔۔۔کیا تم اللہ سے زیادہ سمجھتی ہو ہر شے کو؟"،وہ بولا تو وہ بے اختیار لب کاٹنے لگی۔پھر جیسے تھک ہاتھ کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں کیا کروں بھائی؟اب مجھے میں اچھی نہیں لگتی۔اب ابانہ کہیں تب بھی مجھے خود میں کمی ہی کمی نظر آتی ہے۔"،اس کا لہجہ پسیجا ہوا تھا،اس کے پسیجتے دل کا حال بیان کرتا تھا۔

"ایک بات ذہن میں رکھو،ایمان۔لوگ ہمارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ سنوار سکتے ہیں۔یہ ہم ہیں جو خود پر اختیار رکھتے ہیں۔تم دوسروں کی زبان نہیں بند کرسکتی تو ان کی طرف سے اپنے کان بند کر لو۔نہ انہوں نے تمہاری زندگی گزارنی ہے نہ تمہارے لیے کچھ کرنا ہے۔تو ایسے لوگوں کی باتوں کو کیوں سنجیدہ لینا جن کا تمہاری شخصیت سے کوئی تعلق نہیں؟اپنے رنگ،روپ اور اپنے آپ میں راضی رہو گی تو زبانیں خود بخود بند ہوتی جائیں گی۔"،وہ بول کر اس کا شانہ تھپک کر اس کا ہاتھ تھامے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔یہ باتیں محض باتیں نہیں تھیں۔ہاہ!مگر ایمان کو ابھی یہ بات سمجھ نہیں آنی تھی!

www.novelsclubb.com

***

رات کی پھیلتی تاریکی میں کینیڈا کی جانب اڑان بھری جائے تو عمارت کے اس حصے میں موجود اپارٹمنٹ نیم روشن نظر آئے۔لاؤنج میں رکھے صوفے پر روحان اور حسنہ ساتھ بیٹھے کوئی مووی دیکھنے میں مصروف تھے۔ٹی وی کی اسکرین سے منعکس ہوتی روشنی نے ہر شے کو ذرا دیکھنے لائق بنا رکھا تھا۔مووی کے آخری سین چل رہے تھے۔اختتام ہوا تو ایک گہرا سانس لے کر حسنہ نے مسکرا کر چہرہ پھیر کر روحان کو دیکھا۔وہ بھی اب صوفے پر بازو پھیلائے چہرہ پھیرے اسے ہی تک رہا تھا۔

"مزے کی تھی ناں؟"، حسنہ چمکتی سرمئی آنکھوں کو گول کیے بولی تو روحان نے مدھم سا مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"مجھے تم سے ایک بات کہنی تھی۔"، اب کہ وہ ہولے سے بولا تھا۔حسنہ نے پل بھر کو ٹھہر کر اسے دیکھا پھر سر ہلا کر اسے گویا بات کرنے کا اشارہ کیا۔روحان ایک لمحے کو چپ سا ہوا تھا۔۔۔ پھر بولا تو آواز مدھم تھی۔

"تم پڑھو گی کب، حسنہ ؟"، اس کے پوچھنے پر سرمئی آنکھوں میں یکدم ہی سرخی ابھری تھی۔ پھر اس نے نرمی سے ہاتھ بڑھا کر روحان کا ہاتھ تھاما تھا۔ نگاہیں اٹھا کر سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"جب تم پڑھو گے۔"، روحان کا دل ڈوبا تھا۔ حسنہ کے ہاتھ میں موجود ہاتھ نے بھینچنا چاہا تھا مگر بھینچ نہ پایا۔

"تمہاری کوئی عمر تو نہیں تھی یہ گھرداری سنبھالنے کی۔ شوہر کی خدمت کرنے کی۔ گھر تک محدود ہو جانے کی۔ تمہیں تو میں نے بہت پڑھانے کا سوچا تھا۔۔۔ سوچا تھا کہ ساتھ اپنی اپنی جابز پر جایا کریں گے۔ میں تمہیں صبح میں تمہارے آفس چھوڑا کروں گا پھر اپنے آفس جایا کروں گا۔۔"، وہ بولنا شروع ہوا تو بولتا چلا گیا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے خواب، لہجے میں ٹھہری یاسیت اور مایوسی پر حسنہ نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اب بھی کہہ رہا تھا۔" شام میں تمہیں پک کیا کروں گا۔۔۔ مگر دیکھو۔۔۔ اپنے ساتھ تمہیں بھی اس گھٹن زدہ زندگی میں

قید کر دیا میں نے۔ تم قید کے لیے تو نہیں بنی تھی۔ تم توڑنے کے لیے، لاڈ اور نخرے اٹھوانے کے لیے بنی تھی۔ یہ تمہاری عمر تو نہیں ہے یہ سب کرنے کی۔"

آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرتے رخساروں پر پھسلنے لگے تھے۔ حسنہ نے جلتی آنکھیں بند کر کے کھولی تھیں۔ اتنے دنوں سے جو گھٹن اس کے اندر بھری ہوئی تھی، آج وہ روحان کے الفاظ میں بہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑ کر جلنے لگی تھیں۔ چہرہ بھی سرخ ہو گیا تھا۔ روحان اب لب دانتوں تلے دبائے چہرہ جھکا گیا تھا۔

"میں جانتی ہوں، روحان۔ تم اذیت میں ہو۔۔۔ اور سب سے اذیت ناک وہ تمام احساسات ہیں جن سے تم روز گزرتے ہو۔۔۔ خود کو بلیم مت کرو۔ جو ہو رہا ہے، وہ ایسے ہی ہونا تھا۔ اللہ نے مجھے تمہاری بیوی اور تمہیں میری محبت شاید اسی لیے بنایا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کا ساتھ کبھی نہ چھوڑیں۔ اگر میں اس وقت میں تمہیں چھوڑ دیتی تو خود کو کبھی معاف نہ کر پاتی۔ یہی تو امتحان ہے ہم دونوں کا۔"، سر کو ہلکا سا ڈھلکائے وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ روحان چہرہ جھکائے اپنی آنکھیں مسل رہا تھا۔ کبھی کبھار الفاظ مرہم رکھنے کے لیے

www.novelsclubb.com

ناکافی پڑ جاتے ہیں۔روحان کے ساتھ ایسا کبھی کبھی نہیں، ہمیشہ ہوتا تھا۔الفاظ اسے کبھی تسلی نہیں دے پاتے تھے۔

"دیکھو، وقت ایک سا نہیں رہتا۔۔۔اب تو تم بہت جلد ٹھیک ہونے والے ہو، انشاءاللہ۔جب تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو ہم دونوں اکٹھے پڑھا کریں گے۔مجھے تو ویسے ہی کچھ نہیں آتا۔تم مجھے پڑھایا کرنا۔"، وہ مسکرا کر بولی تو روحان اسے تکے گیا۔وہ کیسے اتنی ہمت کیے ہوئی تھی؟ وہ اتنی چھوٹی تھی۔اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید ڈھے جاتا، مگر وہ ایک مضبوط چٹان کی مانند اس کے ساتھ ہر پل کھڑی تھی۔

"شوہر بیوی کو تحفظ دیتا ہے، حسنہ۔بیوی کی ڈھال بنتا ہے۔اس کا سہارا بنتا ہے۔مگر دیکھو تو، میں خود کو سہارا نہیں دے پا رہا، تمہیں کیا دوں؟ الٹا تم ہی مجھے سہارا دے رہی ہو۔میری ڈھال بنی ہوئی ہو۔"، اب کہ وہ بولا تو حسنہ نے اس کا ہاتھ تھپکا۔

"کس کتاب میں لکھا ہے ایسا کہ بیوی یہ سب نہیں کر سکتی؟ تم انسان ہو ناں، روحان؟ معاشرے کے اس مائنڈ سیٹ سے نکل آؤ کہ اگر تم فی الوقت یہ سب نہیں کر پا رہے تو تم کمزور

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مرد ہو۔ تم میرا سہارا ہو، روحان۔ میں تمہارے ساتھ محفوظ محسوس کرتی ہوں۔ تم میرے شوہر ہو اور میرے لیے بے حد اہمیت رکھتے ہو۔ میں تمہاری سوچوں کو تو کنٹرول نہیں کر سکتی مگر یقین رکھو، کہ یہ صرف ایک آزمائش ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ ہم مل کر اسے کامیابی سے پار کر لیں گے۔ اللہ کے حضور سرخرو ہو جائیں گے۔ ہمت اور ثابت قدمی کی ضرورت ہے بس۔"

روحان اسے نم آنکھوں سے تکے گیا تھا۔ اس لمحے اس پر ایک ادراک ہوا تھا۔ یہی کہ اگر حسنہ اس کی محافظ، ڈھال یا سہارا تھی بھی تو اسے اس پر بہت فخر تھا۔ اسے اللہ نے روحان کے لیے چنا تھا۔

***

www.novelsclubb.com

رات ہوئی تو کراچی خنک سی تاریکی میں ڈھک سا گیا۔ سردیوں کی آمد کے باعث اس پہر ہلکی دھند بھی چھائی تھی جس کے پار سے کراچی کی جگمگ کرتی روشنیاں مدھم اور مٹی مٹی سی لگتی تھیں۔ ایسے میں رمیص جہانزیب کے گھر میں جھانک کر دیکھا جاتا تو کمرے میں وہ دونوں پلنگ پر کمبل میں دبکی نظر آتیں۔ ہاتھوں میں اپنا اپنا کافی کا مگ تھام رکھا تھا۔ کمرے کی ایک مدھم بتی

جلی ہوئی تھی جس نے نیم اندھیرا سا کر رکھا تھا۔ خواب ناک سے ماحول میں بیٹھی وہ دونوں بھی اسی ماحول کا ایک حصہ لگتی تھیں۔

"ارتضیٰ میری زندگی کا ایک اہم حصہ تھا۔ یا شاید ہے بھی۔ میں اسے بھول نہیں سکتی۔ میں لوگوں کو ویسے بھی نہیں بھولا کرتی۔ اسے بھولنا تو پھر ناممکنات میں سے ہے۔ مگر اب میں اس کی خواہش نہیں کرتی۔ میں اسے یاد کرتی ہوں۔ یادیں مجھے میرے بس میں نہیں لگتیں۔۔۔ مگر اب میں نے خود سے وعدہ کیا ہے کہ میں اللہ سے اسے نہیں مانگوں گی۔"، ایمان دھیمے لہجے میں کہتی جارہی تھی۔ ساتھ مگ کی کناریوں پر انگلی پھیر رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے، ہانا؟ میرے بھائی کہا کرتے تھے کہ جو آپ کو چھوڑ جائیں، وہ کبھی آپ کے تھے ہی نہیں۔ ارتضیٰ مجھے چھوڑ گیا، مطلب وہ تو کبھی میرا تھا ہی نہیں۔ یا کیا پتا وہ میرا تھا، بس۔۔۔"، اور یہاں وہ خاموش سی ہو گئی۔ جیسے اسے سمجھ نہ آیا ہو کہ آگے کیا کہے۔ ہانا نے اب کے اپنی کافی کا آخری گھونٹ لے کر مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھا تھا، پھر دوبارہ سے اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"تمہیں پتا ہے کیا، ایمان۔۔۔"، وہ بولی تو ایمان "ہوں" کہتی اسے دیکھنے لگی۔ "تم اوور تھنک کر رہی ہو۔ وہ تمہاری زندگی سے چلا گیا۔۔۔ وجہ جو بھی ہو۔ تم کیوں اٹک گئی ہو وہیں پیچھے؟ وہ بڑھا ناں آگے۔ تم بھی بڑھ جاؤ۔ مووآن کرو۔ مووآن کرنے کا مطلب بھلا دینا نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یاد رکھتے ہوئے ہی زندگی نے ہمارے لیے آگے جو رکھا ہوتا ہے، اسے جینا ہوتا ہے۔ نہ میں اسے برا یا اچھا کہہ رہی ہوں نہ تمہیں۔ ہر کسی کے پاس جواز ہوتے ہیں، وجوہات ہوتی ہیں۔ تم مووآن کرنے کا جواز اپنی ذات کو بناؤ۔ اپنے مستقبل کو بناؤ۔ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری زندگی میں بہت کچھ رکھا ہوگا آگے۔ اگر تم پیچھے ہی اٹکی رہو گی تو آگے کیسے بڑھو گی؟"، وہ بول کر خاموش ہوئی تو ایمان نے لب دانتوں تلے دبائے۔ کچھ پلوں تک انگلیاں مڑوڑتی رہی، پھر دھیرے سے بولی۔

"کیا تم نے کبھی مووآن کیا ہے؟ مطلب اس سینس میں نہیں پوچھ رہی، مگر کبھی بھی، زندگی کے کسی موڑ پر؟"، اس کے پوچھنے پر ہانا نے ایک گہرا سانس فضا کے سپرد کیا تھا۔

"میں موو آن کرنے میں ہی مطمئن رہتی ہوں۔ سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر، ریلیکس ہو جاتی ہوں۔ میرے لیے ایک پوائنٹ پر stuck رہنا مشکل ہے۔"، وہ شانے اچکا کر بولی تو ایمان اسے دیکھے گئی۔ پھر سمجھ کر سر ہلایا۔

"میں کوشش کروں گی موو آن کرنے کی۔"، اب کہ وہ بولی تو لہجہ ذرا پر امید سا تھا۔ آنکھوں میں ایک نرم سا گلابی تاثر دکھتا تھا۔ اس کی بات پر ہانا نے سر کو ہلکا سا خم دیتے اسے دیکھا تھا، پھر ہولے سے مسکرائی تھی۔

"پتا ہے کے کے کیا کہتا ہے؟"، ایک دم ہی ہانا اس سے بولی تو ایمان کے چہرے پر نا سمجھی ابھری۔

"اب یہ کے کے کس مخلوق کا نام ہے بھئی؟"، اس کے پوچھنے پر ہانا نہایت بدمزہ ہو کر پیچھے ہوئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"کے کے ایک بہت ہی اچھا انسان ہے۔"، وہ آنکھیں مٹکاتی ہوئے بولی تھی۔"کیا زبردست لڑکا ہے وہ۔۔۔ ہینڈسم، ایستھیٹک، چارمنگ۔۔۔اف، اور اس کے بات کرنے کا انداز تو اینڈ ہے بھئی۔"، وہ آنکھیں میچتی جوش سے اس کو بتانے لگی تو ایمان نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"صحیح صحیح۔ مگر یہ کے کے کیسا نام ہوا بھلا؟"، وہ ابرو اٹھا کر پوچھنے لگی تو ہانا نے سر نفی میں ہلایا۔

"یہ تو اس کے فالوورز کہتے ہیں اسے۔نام تو ظاہر ہے الگ ہے اس کا۔"، وہ جیسے اس کی عقل پر افسوس کر رہی تھی۔ایمان نے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔

"اچھا تو کے کے یہ کہتا ہے کہ انسان کو سکون تب آتا ہے جب وہ اپنا نصیب اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔تم بھی اللہ کے حوالے کردو سب۔"،ہانا نرمی سے مسکرا کر بولی تو ایمان کچھ پلوں تک اسے دیکھتی رہی، پھر جب بولی تو آواز نرمی سے مسکرا رہی تھی۔

"ویسے میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ کبھی میری کوئی ایسی دوست بنے گی جس سے میں اپنے دل کی بات کہہ سکوں گی۔ میرے دوست بہت اچھے ہیں۔ان کا میری زندگی میں ایک مقام، ایک

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حصہ ہے۔۔۔ مگر جانتی ہو میں نے ثمرین سے کیا کہا تھا؟"، وہ دھیرے دھیرے بولی تواب کے ہانا کی آنکھیں تجسس کے مارے گول ہوئیں۔ وہ پر جوش سی آگے ہوئی تھی۔

"کیا کہا تھا؟"

ایمان نے ایک نظر اس کی گول آنکھوں کو دیکھا تھا، پھر لب دبا کر مسکراہٹ روکی تھی۔

"پھر کبھی بتاؤں گی۔"، وہ آنکھیں گھماتی بولی تو ہانا نے منہ پھولایا تھا۔ اس کے سارے جوش کا کباڑا کر دیا تھا اس ایمان نے۔

"بھئی یہ کیا بد تمیزی ہے؟ بتاؤ ابھی۔"، وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح روہانسے لہجے میں ضد کرتے ہوئے بولی تھی۔ ایمان نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"پھر کبھی۔"، جتاتے انداز میں بولتی وہ یکدم ہی کمبل میں دبک گئی تھی۔ ہانا نے آگے بڑھ کر ایک ہی جست کمبل اس کے منہ سے کھینچا تھا۔

"کیا ہے بھئی؟ تمیز نہیں ہے کوئی؟"، وہ کمبل پھر سے کھینچتے ہوئے بولی تو ہانا نے ایک بار پھر کمبل ہٹا دیا۔

"نہیں ہے تمیز۔۔۔اب بتاؤ۔ایسے سونے نہیں دوں گی میں تمہیں۔"، وہ اس کا بازو کھینچتے ہوئے بولی تو ایمان نے ایک بار پھر کمبل کھینچنا چاہا۔اس کی کوشش ہانا نے پہلے ہی ناکام کر دی تو ایمان ایک گہرا سانس لیتی اٹھ بیٹھی۔

"چڑیل ہو بالکل۔ڈائن۔"، وہ تپے ہوئے انداز میں بولتی اٹھ کر بیٹھی تو ہانا آنکھیں مٹکاتی ذرا قریب آئی۔

"فرمایئے۔"، ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ بھرے، وہ اسے دیکھتی تجسس سے پوچھ رہی تھی۔

ایمان نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"میں نے اس سے کہا تھا کہ تم مجھے اچھی لگتی ہو۔"،اس کے کہنے پر ہانا نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تھی۔

"کچھ نیا بتاؤ۔معلوم ہے یہ بات مجھے۔"، اور نجانے کیسے مگر ایمان ایک دم سے ہنس پڑی تھی، پھر آنکھیں گھماتی اس کی جانب ہلکا سا جھکی تھی۔

www.novelsclubb.com

"میں نے اس سے کہا تھا کہ ہانا ایسی ہے کہ اس کی صرف موجودگی ہی میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔ وہ صرف میرے ساتھ بھی رہے تو اس کا صرف ہونا ہی بہت کچھ ہیل کر دیتا ہے۔ اب تم اسے اعتراف محبت ہی سمجھ لو۔"، وہ بولی تو ہانا نے لب دانتوں تلے دباتے چہرہ ذرا اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکرا کر اسے آنکھیں گول کیے دیکھا تھا۔

"اگر رضا مراد نے یہ سن لیا تو وہ مجھے اپنا رقیب سمجھ بیٹھے گا، ایمان۔"، وہ بولی تو ایمان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"توبہ ہے۔ حد ہے، حد۔"، وہ بولتی ایک بار پھر کمبل میں دبک گئی تو اب کی بار ہانا بھی اپنی جانب کا لیمپ آف کرتی لیٹ گئی۔

www.novelsclubb.com

"دل خوش کر دیا تم نے، یار۔ بلش کر رہی ہوں میں۔"، وہ شرماتے لجاتے انداز میں بولی تو ایمان نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"ایسا کیا کیا تھا میں نے، اللہ پاک، کہ مجھے یہ ملی؟؟"، وہ باقاعدہ ہاتھ اٹھاتی سوال کرنے کے سے انداز میں بولی تو ہانا نے اسی شرماتے انداز میں چہرہ پھیر کر اسے دیکھا تھا۔

"کوئی بہت ہی عظیم نیکی کی تھی، پکا۔"،اس کے کہنے پر ایمان نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"بالکل۔۔۔ بالکل۔ سو جاؤ اب۔ کل صبح جلدی اٹھنا ہے۔اف کل تو اسپیچ بھی ہے۔"،وہ جھرجھری لیتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھی ہو گی۔ڈونٹ وری۔ گڈ نائٹ۔"،ہانا کے کہنے پر اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔

"گڈ نائٹ۔اللہ حافظ۔"،اور کمرے کی فضا میں وہ آخری آواز تھی جو رات کے اس پہر نے سنی تھی۔ سو گئی تھیں دونوں نوٹنکیاں! شکر!

***

صبح کے نو بجے یونیورسٹی کی راہداریاں بالکل خالی پڑی نظر آتی تھیں۔آج سے زونل کمپیٹیشنز کا آغاز تھا۔پہلا مقابلہ تقریروں کا تھا۔ طلباء اور اساتذہ کا ایک ہجوم تھا جو آڈیٹوریم میں اکٹھا تھا۔ اسی ہجوم کے درمیان دوسری قطار میں ہانا بیٹھی تھی۔ہاتھ میں کیمرہ تھامے،وہ اسٹیج کی جانب کیے، بٹن پر انگلی رکھے بالکل تیار تھی۔ میزبان ابھی آمدی جملے کہہ رہی تھی۔

"آخری کنٹیسٹنٹ ہیں ایمان زاویار۔۔۔اور ان کی تقریر کا موضوع ہے 'احساس کمتری'۔۔۔ آیئے انہیں ویلکم کرتے ہیں۔"، بولتے ہی وہ پردے کی ایک جانب چلی گئی تو پچھلی طرف سے ایمان نکل کر آئی۔تالیوں کی گونج کے بیچ وہ آکر پوڈیم کے پاس کھڑی ہوئی تو چہرے پر ایک الگ سا تاثر دکھتا تھا۔وہ خوف یا ہچکچاہٹ نہیں تھی،بس ایک تاثر تھا جسے کوئی نام نہیں دیا جاسکتا تھا۔ ہانا اسے دیکھ کر مدھم سا مسکرائی تھی۔

ادھر سے ادھر جاتی ایمان کی نظریں جوں ہی اس پر ٹکیں،وہ یکدم ہی کھل کر مسکرادی۔چند لمحات بعد وہ مائیک پکڑے بات کا آغاز کر رہی تھی۔

"احساس کمتری۔۔۔"،اس کی آواز نہایت ٹھہری ہوئی تھی۔"ایک لفظ۔۔۔

www.novelsclubb.com

مگر ایک بہت گہرا جذبہ۔۔۔کبھی دوسرے سے کم مارکس لانا،تو کبھی رنگت میں گہرا ہونا،کبھی اچھا رشتہ نہ مل پانا تو کبھی فیملی بیک گراؤنڈ باقیوں سے کم تر ہونا۔۔۔کبھی وزن،ظاہری شکل، مالی حالات،تعلیم،کیریئر اور خاندانی موازنہ اس کی وجہ بنتا ہے تو کبھی سوشل میڈیا پر نظر آنے والی لوگوں کی پرفیکٹ زندگی!"

پورا ہال یوں سن پڑا تھا گویا کوئی زی روح یہاں موجود ہی نہ ہو۔ کیمرے کو ذرا نیچے کیے ہانا بھی اسے گہری سمجھتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ہاں وہ سب سمجھ رہی تھی۔ وہ اس کا ہر ایک لفظ سمجھ رہی تھی۔ ایمان اب مائیک اسٹینڈ سے نکالے ہاتھ میں تھامتی پوڈیم کے پیچھے سے نکل آئی تھی۔ ہاتھوں کو متوازن جنبش دیتی وہ بہت ٹھہرے ہوئے پر سکون انداز میں کہہ رہی تھی۔

"محض یہ ہے کہ ظاہری، تعلیمی، معاشی، سماجی، جذباتی، مذہبی یا اخلاقی احساسِ کمتری۔۔۔ میں، آپ اور یہاں بیٹھا تقریباً ہر انسان زندگی کے کسی ناں کسی پوائنٹ پر آکر احساسِ کمتری نامی اس بیماری کا شکار ضرور ہوتا ہے۔ اس بیماری کے مریضوں کو اکثر ہم یہ مشورہ دیتے ہیں کہ خود اعتمادی پیدا کرو۔ کانفیڈنٹ بنو۔ خود سے محبت کرو۔۔۔ مگر کیا ہم کبھی خود سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ان کو اس قدر عدم اعتمادی میں ڈالنے والا کون ہے؟ کیسے ایک چھوٹے سے بچے میں یہ اتنی بڑی بیماری جنم لے لیتی ہے؟"، وہ بول کر لمحے بھر کو خاموش ہوئی تو اسپیکرز سے گھلتی اس کے سابقہ الفاظوں کی گونج مدھم پڑتی گئی۔ سب ساکن تھے۔ خاموش!

"جواب ہے 'بے حسی'۔۔۔ بڑوں کی بے حسی۔۔۔ جانتے ہیں احساسِ کمتری کا سب سے بڑا شکار کون ہوتا ہے؟ ایک ایسا انسان جس کے ماں باپ اسے اس کھائی کی جانب دھکیلتے ہیں۔ اپنے بچوں کا موازنہ کر کے۔ ان کے رنگ، قد، وزن، مارکس اور ان چیزوں کو نشانہ بنا کر جو اللہ نے تخلیق کی ہیں۔ ایک انسان کی رنگت، اس کی جسامت، اس کا ذہن، اس کا نصیب۔۔۔ حتیٰ کہ ہر ایک شے جس کے لیے ہم ان کی عزت نفس کو روندتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی متعین و عطا کردہ ہوتی ہے۔ ایسے میں ہم ان پر نہیں، اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر سوال اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ ہم ان کو برا نہیں کہہ رہے ہوتے، ہم یہ جتا رہے ہوتے ہیں کہ نعوذ باللہ ہم اللہ سے بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کس شخص کو کیسا تخلیق کیا جانا چاہیے۔"، اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا اور پھر ایک جگہ کھڑے ہو کر اس نے ہال میں موجود تمام افراد پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"'Society standard'

یہ ایک بلا کا نام ہے۔ ایک ایسی بلا جو ہم سے چمٹ جائے تو ہم سے اپنا آپ چھین لیتی ہے۔ ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ ہمارے دلوں سے خود کے لیے محبت کو قطرہ قطرہ کر کے ختم کر دیتی ہے۔

ایک زہر کی مانند جو دھیرے دھیرے جسم میں پھیلتا سب تباہ کرتا جاتا ہے۔۔۔آج میں آپ سے یہ نہیں کہوں گی کہ آپ کیوں احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں؟آپ کو کانفیڈنٹ ہونا چاہئے، وغیرہ وغیرہ۔۔۔آج کا سوال ہم سب سے ہے مگر سوال مختلف ہے۔"،اب تک وہ پھر پوڈیم کے پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔مائیک پھر سے اسٹینڈ میں فکس کیے وہ اب ہاتھ بلند کیے ان سے سوال کرنے کو تیار تھی۔

"کیوں ہم کسی کو جینے نہیں دیتے؟کیوں ہم ہر کسی پر بولنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں؟کیوں ہم کئی بار خود کو عقلِ کل سمجھ لیتے ہیں؟آخر کیا سبب ہے کہ جس کے باعث ہم بہت بار اپنی اولاد، بھائی بہنوں، ہم جماعتوں، دوستوں اور آگے پیچھے نجانے کتنے ہی لوگوں کو احساسِ کمتری نامی اس بیماری کی جانب دھکیل دیتے ہیں؟کیوں ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ جس کے پاس پیسہ ہے، اس کا رب بھی وہی ہے جو ایک مفلس کا ہے؟جس اللہ نے اس مفلس کو کچھ نہ دیا، وہ چاہے تو ایک جھٹکے میں بادشاہ کو بھی فقیر بنا دے۔۔۔"،وہ افسوس سے سر نفی میں ہلا رہی تھی۔"میرا یقین کریں، اگر انسان صرف یہ ایک بات سمجھ لے ناں کہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔۔۔

سب کچھ۔۔۔ہر ایک شے۔۔۔میں اور آپ سب۔۔۔سب اس ایک اللہ کی تخلیق ہیں۔ہماری

ہر ایک شے اس نے بہت محبت سے تخلیق کی ہے۔۔۔ تو کتنوں کے سیلف ڈاؤٹ یوں ہی جھٹکے میں ختم ہو جائیں۔"، وہ بول کر خاموش ہوئی تھی۔پل بھر کو اس کے چہرے پر ایک اذیت سی جھلکی تھی۔

"آخر میں اس بیماری کے ہر ایک متاثرہ شخص سے ایک بات کہنا چاہوں گی۔دوسرے لوگ آپ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ سنوار سکتے ہیں۔اپنا نقصان آپ خود کرتے ہیں۔اپنے ہاتھوں سے۔ دوسروں کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا کریں۔

No one can make you feel inferior without your consent. You are not less because someone failed to see your value.

www.novelsclubb.com

یاد رکھیں، کسی بھی انسان کی سب سے پُر کشش خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی اصل شخصیت کے ساتھ مطمئن اور پُر اعتماد زندگی گزارے۔"، وہ بول کر خاموش ہوئی تو اگلے ہی پل پورا ہال تالیوں کی گونج سے تھر ا اٹھا تھا۔کچھ طلباء اپنی جگہوں سے کھڑے، تالیاں بجاتے اسے داد دے

رہے تھے۔ ہانا کیمرہ بند کرتی نشست سے اتر کھڑی ہوئی، اب ان طلباء کے ساتھ مل کر تالیاں بجا رہی تھی۔ ایمان اسے ایک آخری پر جوش سی نظر دیکھتی اسٹیج سے اتر آئی تھی۔ فرنٹ رو میں بیٹھے اساتذہ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے شاباش دے رہے تھے۔ وہ سب سے ملتی دوڑتی ہوئی ہانا کی جانب آئی تھی اور ایک دم زور سے اس کے گلے سے لگی تھی۔ ہانا جیسے سٹل ہوئی تھی۔ ایک پل کو ٹھہرنے کے بعد وہ مسکرادی تھی۔ اس سے الگ ہوتے ایمان کی آنکھوں میں آنسو سے چمک رہے تھے۔ ہانا کا چہرہ دیکھا تو وہ بھی مدھم سا مسکرادی۔

"مجھے کسی نے نہیں بتایا تھا کہ کچھ ٹرامازیوں ہی پس پشت چلے جایا کرتے ہیں۔ بس ان کو فیس کرنا ہوتا ہے، ان سے بھاگنا نہیں ہوتا۔"، وہ بولی تو اس کی آواز بھاری تھی۔ کان کی لوئیں تک سرخ ہو رہی تھیں۔ اتنی دیر سے پتھر ہوئی آنکھوں میں اب کے گلابی نمی چمک رہی تھی۔ ہانا نے اس کا شانہ داد دینے کے سے انداز میں تھپتھپایا تھا۔

"تم لڑاکا کیوں نہیں ہو؟"، وہ اس کا بازو تھامے اسے اپنے ساتھ بٹھاتی بولی تو ایمان نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لڑکا کیوں ہوتی میں؟"، ہانا نے افسوس سے سر ہلایا تھا۔ چچ چچ! سارے جہان کی بے وقوفی اس ایک لڑکی میں اکٹھی کر دی گئی تھی۔

"تم لڑکا ہوتی تو پیار ہو جاتا تم سے۔"، اب کے وہ دونوں برابر برابر نشستوں پر بیٹھی سامنے اسٹیج کی جانب دیکھ رہی تھیں، جہاں اب تمام مہمانانِ خصوصی جمع ہو رہے تھے۔

"کیوں؟ لڑکی سے پیار نہیں ہو سکتا کیا؟"، ایمان نے فوراً ہی منہ پھولایا تھا۔ بازو سینے پر لپیٹے اس نے خفا خفا سے انداز میں چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہانا کے لب مسکراہٹ میں ڈھلتے چلے گئے تھے۔ نہایت فرصت سے چہرہ ہتھیلیوں کے پیالے میں بھرے وہ اس کی جانب گھومی تھی۔

"نہیں، ہو تو سکتا ہے۔ تمہیں کرنا ہے کیا؟"، اس نے آنکھیں پٹپٹائی تھیں۔ ایمان نے اسے دیکھتے ایک ابرو اٹھائی، پھر سر کو ہلکا سا خم دیا۔

"میں تو پہلے ہی کرتی ہوں۔۔۔"، اس نے امڈ کر آتی مسکراہٹ لبوں پر روکی۔ ہانا نے لب دانتوں تلے دبائے، پھر تھوڑی سیدھی ہوتے ہوئے اس کے بازو پر ایک ٹھوکا دے مارا تھا۔

"اف۔۔۔لگا ہے اتنی زور سے۔"، ایمان سی سی کرتی بازو سہلاتی بولی تو ہانا نے سر جھٹکا۔

"ہلکا سا تو مارا تھا۔ ہونہہ۔"

"لگا تو زور سے ناں۔"، ایمان ناک سکوڑتی بولی تو ہانا کا جی چاہا کہ اس کا سر کسی دیوار میں دے مارے۔

"سامنے دیکھو، چلو۔ دماغ نہ کھاؤ میرا۔"، ہاتھ سے اس کا چہرہ اسٹیج کی جانب موڑے وہ خود بھی ادھر ہی متوجہ ہو گئی تو ایمان نے ناک بھوں چڑھائی۔

"ہونہہ۔ اتنی بدمزہ چیزیں نہیں کھاتی میں۔"، اس نے کہا تو ہانا کچھ بڑبڑائی۔ ایمان نے منہ کے زاویے بگاڑے تھے۔

www.novelsclubb.com

***

اسی دن کی ڈھلتی شام کے سمے وہ دونوں یونیورسٹی کے وسیع سے لان میں موجود بنچز پر بیٹھی تھیں۔ بنچز کے اوپر ایک چھجا سا بنایا گیا تھا۔ اس چھجے کو سہارا دیتے تین ستون تھے۔ ان میں سے ایک ستون کے ساتھ لگی بنچ پر وہ دونوں بیٹھی تھیں۔ سورج کی مدھم کرنیں سامنے والی بنچ پر پڑ

رہی تھیں۔ آج رات زونل کمپٹیشنز کے انعقاد کی اوپننگ پارٹی ارینج کی گئی تھی۔ اس وقت وہ دونوں وہاں بیٹھی ٹیچرز کے نام فائنلائیز کر رہی تھیں جن کو انوائیٹ کیا گیا تھا۔ یہ کام ایمان کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس کو تو اس کا کوئی خاص تجربہ تھا نہیں سو وہ رجسٹر اٹھا کر ہانا کے پاس چلی آئی۔

"سر طحہٰ کو بھی بلانا ہے ناں؟"، ایمان نے قلم ٹھوڑی تلے رکھ کر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا تو لب بھینچ گئے۔ وہ جھولتے سر اور تقریباً بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ میز پر گر جانے کے درپہ تھی۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر ذرا سا آگے کو ہو کر اس کو شانے سے پکڑ کر ذرا جھنجھوڑا۔

"ہانا۔۔۔"، وہ سختی سے بولی تو اس نے تیزی سے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چشمہ ایک جانب سے ٹیڑھا ہوا تھا جسے ایمان نے ہاتھ بڑھا کر سیدھا کیا اور پھر رجسٹر اس کے سامنے لہرایا۔

"مجھے بتاؤ جو میں نے پوچھا۔"، وہ کڑی تیوری لیے پوچھنے لگی تو ہانا ہلکا سا مسکرائی۔ جی بالکل! جھینپنے والی مسکراہٹ ہی تھی وہ!

"مگر پہلے مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم نے کیا پوچھا۔"، وہ دانت نکوس کر بولی تو ایمان نے گہرے ضبط سے اسے دیکھتے سر جھٹکا تھا۔ پھر رجسٹر پر نظر ڈالی تو سامنے کاغذ پر صرف ایک حروف "1" لکھا نظر آیا۔ اور یکدم ہی اس کے دماغ سے ہی نکل گیا کہ وہ اس سے کیا پوچھنے لگی تھی۔

"وہ۔۔۔ کیا پوچھ رہی تھی میں۔۔۔"، اس نے سر جھکا کر ماتھے پہ ناک کرتے سوچنا چاہا۔۔۔ خوب سوچنا چاہا۔۔۔ مگر سوچ نے کہا کہ پھر کبھی!

"ارے ہاں۔۔۔ وہ ناں۔۔۔"، اس کو یکدم ہی کچھ اور یاد آیا تو اس نے ایک کے ہندسے کے نیچے دو کا ہندسہ بھی بنایا۔ "میم رحیمہ سائیکالوجی کی ہیں ناں؟ ان کو بھی بلانا ہوگا۔"، وہ چہکتے انداز میں بول رہی تھی کہ جبھی۔۔۔

"ہاں ہاں۔۔۔"، ہانا کے کہنے پر ایمان نے سر ہلایا تھا۔ مگر وہ اب بھی کہہ ہی رہی تھی۔ "ایسا کرو۔۔۔ آگے جا کر لیفٹ لو۔۔۔ اور پھر، دروازہ بند کر دینا۔"

ایمان نے فوراً سے سر اٹھا کر ہانا کو دیکھا تھا۔ وہ میز پر سر رکھے نیند میں باتیں کر رہی تھی۔ سر سے دوپٹہ پھسلنے کے باعث بھورے بالوں کی چند لٹیں اس کے چہرے پر آئی ہوئی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"ہانا۔۔۔اٹھو میری جان۔"، وہ اسے شانے سے ہلا کر بولی تو ہانا نے آنکھیں مسلیں اور پھر چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"ہاں ناں۔ کہا تو ہے کہ دروازہ بند کرو۔"، وہ ایک بار پھر نیند میں بڑبڑائی تھی۔ ایمان نے لب بھینچے تھے۔ ایک تو اتنا مشکل کام پکڑا دیا تھا اسے، اوپر سے ایک اور مشکل عورت!

چند پل یونہی وہ سوتی ہوئی اس عورت کو دیکھے گئی، پھر یکدم ہی اس کی آنکھیں چمکیں۔ لب مسکراہٹ میں ڈھلے اور چہرہ جیسے کھل سا گیا۔ اس نے یکدم ہی ہانا کو پکڑ کر بری طرح جھنجھوڑا تھا۔

"کتا۔۔۔ ہانا اٹھو۔۔۔ کتا!!!"، اسی پل ان کی بنچ کے عین سامنے سے ایک لڑکا سر جھکائے گزر رہا تھا۔۔۔ ایمان کے کہنے پر وہ ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔ چہرے پر حیرت اور بے یقینی ساتھ ساتھ دکھتی تھی۔ یکدم ہی بڑی ہڑبڑاہٹ کے ساتھ ہانا تیر کی سی تیزی سے اٹھی تھی۔ حواس باختگی سے اپنا دوپٹہ سنبھالتی وہ بنچ سے سپرنگ کی طرح اچھل کر پیچھے سے باہر دوڑی تھی۔ اس

کی آنکھیں بھی پوری نہیں کھلی تھیں۔ چشمے کو ہاتھ سے تھام کر رکھے وہ چھجے سے کچھ دور ایک دائرے میں دوڑتی چلانے لگی تھی۔

"بچاؤ۔۔۔ کوئی تو بچاؤ۔۔۔ یااللہ ! ہٹاؤ کوئی اس کتے کو۔"، اس کی دہائیاں سارے میں گونج رہی تھیں۔ سامنے کھڑا لڑکا منہ کھولے حیرت سے انگلی سے اپنے سینے پر دستک دیتا کبھی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتی ایمان کو دیکھتا تو کبھی اس جھنجھال چڑیل کو۔ مگر ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی اسے دیکھنے کی فرصت نہیں تھی۔ ایک ہنستی جارہی تھی تو دوسری ہنساتی جارہی تھی۔

حواس باختگی سے چیختی چلاتی ہانا یکدم ہی کچھ ٹھہری تھی۔ یا شاید وہ تھک گئی تھی۔ پھر پھولے سانسوں کے درمیان اس نے مڑ کر اپنے پیچھے دیکھا تھا۔ پھر دائیں اور بائیں۔۔۔ اور پھر بے ساختہ ہی اس نے دور بنچ پر بیٹھی ایمان کو دیکھا تھا۔ لمحہ لگا تھا اس کو سب سمجھنے میں۔ اور جونہی اسے سمجھ آیا، اس کے لب یکدم ہی بھینچ گئے تھے۔ ایک گہرا سانس بھر کر اس نے اپنی مٹھیاں بھینچیں اور پھر دھم دھم کرتی اس کی طرف چلی آئی تھی۔ ایمان پہلی فرصت میں ناں ناں کرتی اٹھ کر بنچ کے پیچھے گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"چڑیل۔۔۔فسادن۔۔۔"، ہانا دانت کچکچاتی اس تک پہنچی تھی۔ایمان کی ہنسی کو بریک لگنا اب ناممکن سالگ رہا تھا۔سامنے پیچھے سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑا وہ لڑکا یکدم ہی ہلکا سا مسکرایا، پھر سر جھٹک کر ان دونوں کو ایک آخری نظر دیکھتا آگے بڑھ گیا تو ایمان نے اسے جاتے دیکھ کر ہانا کو ہاتھ جھلا کر روکا۔ہنسی حالانکہ اب بھی نہیں رکی تھی۔

"ہانا۔۔۔میری بات تو سنو۔"،اب وہ ہنستے ہنستے گھوم کر بنچ پر آبیٹھی تھی۔ہانا منہ پھولائے اس کے ساتھ آکر بیٹھی تو اب کے ایمان نے ہنسی روکتے ہوئے اسے دیکھا اور ذرا سا قریب ہوئی۔

"یہ۔۔۔یہ لڑکا۔۔۔"،اس نے پھر قہقہہ لگایا تھا۔ہانا تو اسے دیکھتے ہی ناسمجھی سے مسکرانے لگی تھی۔"یہ لڑکا سمجھ رہا تھا کہ ہم اسے کتا کہہ رہے ہیں۔۔۔"

www.novelsclubb.com

"توبہ۔"،ہانا کی ہنسی بھی بے ساختہ تھی۔ان سے کچھ فاصلے پر آگے ہی آگے جاتے لڑکے نے مڑ کر اس سیاہ فریم والے چشمے پہنی لڑکی کو دیکھا تھا، پھر سر جھٹک کر ہنس دیا تھا۔اسے زیادہ ہنسی اپنی بے وقوفی پر آرہی تھی۔پیچھے وہ دونوں بھی اب تک ہنس رہی تھیں۔

***

مغرب ڈھلی تو یونیورسٹی کے اس حصے میں خوب رونق اتر آئی۔اسٹوڈنٹس اور ٹیچرز ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل رہے تھے۔ باتوں اور قہقہوں سے پر نم ماحول دل کو بھلا معلوم ہوتا۔ایسے میں ایک جانب ہانا کھڑی تھی۔ہاتھ میں کشمیری چائے کا کپ تھامے، بیزاری سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی۔وہ بور ہو رہی تھی۔ایمان والنٹیئر کر رہی تھی سو ہر تھوڑی دیر میں اٹھ کر جا رہی تھی۔

ہانا کے عین پیچھے ایک بڑا ساڈیک سسٹم لگا تھا۔سامنے کی جانب وسیع سبزہ زار تھا جس کو روشنیوں نے دلکش بنا رکھا تھا۔ہر طرف لوگوں کی گپ شپ کی آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

ہانا نے چائے کا سپ لینے کے لیے کپ منہ کے قریب کیا تھا۔نگاہیں دور سے آتی ایمان پر تھیں۔وہ رک رک کر بیچ میں کسی نا کسی والینٹر سے کوئی بات کر رہی تھی۔اسی دم ڈیک سسٹم پر ایک لمبی سی، بلند چوں کی آواز گونجی تھی۔ہانا اچھل کر آگے ہوئی تھی۔کپ ہاتھ سے چھوٹ کر نجانے کہاں گرا تھا۔کان تو یوں لگ رہے تھے جیسے ناکارہ ہو گئے ہوں۔اس نے چہرہ

ذرا سا موڑ کر ڈی جے کو دیکھا تھا جس نے اس کا یہ اچھلنا، کپ گرانا اور بہرہ ہونا ملاحظہ فرمایا تھا۔ اسے خود کو دیکھتا پا کر وہ دانت نکوس کر ہنس دیا تھا۔

"ذلیل انسان۔"، وہ غصے سے منہ میں بڑبڑاتی رخ موڑ گئی تھی۔ کپ بھی پتا نہیں کہاں گر گیا تھا۔ وہ سر جھٹکتی ادھر ادھر ڈھونڈنے لگی تھی کہ کچھ ہی فاصلے پر اسے کپ کسی کے جوتوں کے قریب پڑا نظر آیا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ بس دل ہی دل میں ڈی جے کو کوستی رخ موڑ گئی۔

اس نے جھک کر پہلے کپ کو دیکھا، پھر چہرہ اٹھا کر سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھا جس کو دیکھ کر ہر گز یہ نہیں لگتا تھا کہ کپ اس کے ہاتھ سے گرا ہے۔ یقیناً خود ہی چھلانگ لگا کر محترم کے قدموں میں آ گرا ہے۔ وہ بالکل مدھم سا مسکرایا، پھر جھک کر کپ اُٹھایا۔

"میں آیا۔"، اپنے دوستوں سے کہتا وہ اس کی جانب بڑھا۔ اسے خود کی جانب بڑھتا دیکھ ہانا نے ہاتھ اٹھا کر اپنا دوپٹہ سر پر درست کیا تھا اور نہایت بے نیازی سے ایک قدم پیچھے لیا تھا۔

www.novelsclubb.com

"یہ آپ کا اڑتا ہوا شاہکار۔"، وہ قریب آکر کپ اس کی جانب بڑھا کر مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

ہانا نے چہرہ اس کی جانب پھیر کر ایک نظر اسے اور ایک نظر کپ کو دیکھا تھا۔

"میری غلطی نہیں ہے۔ڈیک کی وجہ سے گرا تھا کپ۔"، نہ کوئی معافی نہ معذرت۔بس ہلکے دھیمے سے لہجے میں کہا گیا تھا۔وہ سر ہلا کر ہنس دیا تھا۔ہانا نے چہرہ جھکا کر ٹائم دیکھنے کے لیے کلائی آگے کی تھی، مگر وہ شاید بھول گئی تھی کہ رسٹ واچ اس نے نہیں پہن رکھی تھی۔دل ہی دل میں نجانے کیا کیا کہتے وہ اب ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔یہ عندیہ تھا کہ اس سے زیادہ وقت اسے دینے کے لیے نہیں ہے ملکہ کے پاس۔

"میں نے سوچا۔۔۔کہ کم از کم ڈائریکشن تو اچھی تھی۔سیدھا میرے قدموں تک آیا۔"، آنکھوں میں شریر سا تاثر لیے اس نے ذرا سا جھک کر کہا تھا۔ہانا نے منہ کے زاویے بگاڑے تھے۔

"قصور تو آپ کا بھی ہے۔کتنی غلط جگہ کھڑے تھے آپ۔"، ہاتھ سے اس کی سابقہ جگہ کی جانب ہلکا سا اشارہ کر کے کہا تو اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ہانا کے چہرے پر ناگواری ابھری تھی۔

www.novelsclubb.com

"اچھا۔۔آپ تو وہ ہیں ناں؟ وہ۔۔۔کتے والے سین والی؟"، وہ اب کے سوچنے کے سے انداز میں اپنے ماتھے پر ناک کرتا بولا تھا۔ آنکھیں اس پر ہی ٹکی تھیں۔ ہانا نے یکدم ہی لب بھینچے تھے، پھر ایک سانس لیتی بے نیازی سے بولی۔

"کون سا کتا؟ کیسا کتا؟"، لاعلمی اور ناسمجھی تو آج اس پر تمام تھی۔ جیسے بخدا! کتا نامی کوئی مخلوق بھی وجود رکھتی ہے اس جہان میں؟ سامنے کھڑا لڑکا مسکرایا تھا، پھر لب دانتوں تلے دبائے۔ جب وہ بولا تو آواز ذرا سنجیدہ معلوم ہوتی تھی۔

"وہی کتا جس نے آپ کی نیندیں اڑادی تھیں۔"، اس کے جواب پر ہانا نے پل بھر کو ٹھہر کر ایک ابرو اٹھائے اسے سر سے پیر تک ایک جانچتی نظر دیکھا تھا۔ پھر ہونہہ کے سے انداز میں سر جھٹکا تھا۔

"وہ غلط فہمی تھی۔"، وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"جی جی، سمجھ گیا تھا میں کہ بات مجھ پر نہیں، فرضی کتے پر کی جا رہی ہے۔"، شرارت سے بولتے اس نے سر کو ذرا سا خم دیا تھا۔ "جو تھا ہی نہیں۔"

اف! ہانا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا پیر کچل دے۔ پھر بھی خوب صبر کے گھونٹ بھر کر بولی بھی تو اتنا۔

"کے کے کہتا ہے کہ کبھی کبھی نہ ہونے والی چیزوں سے بھی لوگ ڈر جاتے ہیں۔"، اس کا انداز ایسا تھا کہ کسی کو بھی ہنسی آجائے۔ مگر سامنے کھڑا لڑکا ابھی ہنسنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ دھیما سا مسکرا کر اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"جی بالکل بجا فرمایا آپ نے۔۔۔ ویسے اٹس التمش۔۔۔ آپ تو ہانا ہیں۔ آئی نو۔"، وہ اتنا مسکرا کیوں رہا تھا؟ ہاہ! ہانا کو الجھن ہونے لگی تھی۔ کتنا فضول بول رہا تھا وہ!

ایک مسکراہٹ اس کی جانب اچھال کر وہ مڑ گیا تو ہانا نے کوفت سے سر پھیرا۔ نگاہیں یکدم ہی ایمان پر اٹکی تھیں جو اس سے کافی فاصلے پر کھڑی تھی۔ بازو سینے پر لپیٹے، لوگوں کے جھمگٹے کے بیچ، بھنویں اٹھائے، جتاتی نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی۔ لو بھئی! ایک اسی کی کمی رہ گئی تھی!

***

انہیں گھر پہنچتے پہنچتے دیر ہو گئی تھی۔ پارٹی میں ڈائننگ سات بجے ہی ہو گئی تھی۔ اسی لیے جب وہ گھر پہنچیں تو ہلکی ہلکی بھوک لگنے لگی تھی۔ لاؤنج میں صوفوں پر پیر پھیلائے لیٹی وہ دونوں بے حال لگتی تھیں۔ اب مسئلہ اٹھ کر کچن سے کچھ کھانے کو لانے کا تھا۔۔۔ اور فی الوقت ان دونوں کو ہی بہت تھکاوٹ اور سستی ہو رہی تھی۔

"یار ایمان۔۔۔ بھوک لگ رہی ہے۔۔۔ جاؤ ناں، سست عورت۔"، وہ روہانسے لہجے میں بولی تو ایمان نے لیٹے لیٹے ہی نگاہیں اس کی جانب اٹھائیں۔

"ہانا صاحبہ۔ اپنا ہی گھر سمجھیں۔ تکلف نہ کریں اور جائیں اپنے لیے بھی، اور میرے لیے بھی کچھ کھانے کو لائیں۔"، وہ سر صوفے کے ہتھے سے ٹکائے بولی تھی۔ ہانا کی بھنویں اکٹھی ہوئی تھیں۔

"مہمان ہوں میں۔ مہمان نوازی کرو میری۔ اٹھو ظالم عورت۔۔۔ یا اللہ! کیسا زمانہ آگیا ہے۔ مہمانوں پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں۔۔۔ فاقے کروائے جا رہے ہیں۔"، وہ منہ پھولائے بولی تو ایمان نے سر نفی میں ہلایا۔

"میں نے کہا ناں کہ اپنا ہی گھر سمجھو۔"، ایمان بول کر آنکھیں موند گئی تھی۔ ہانا نے اب کے چہرہ اٹھا کر پھر سے اسے دیکھا تھا۔

"یار ایمان۔۔۔ میری آنکھوں کے آگے کھانا گھوم رہا ہے۔ ذہن میں صرف ایک ہی لفظ چل رہا ہے 'کھانا'، دیکھو مجھے کچھ کھلاؤ۔ میں کچھ نہیں جانتی۔"، وہ آنکھیں پٹپٹا کر بولی تو ایمان نے اب کے رخ اس کی جانب کیا۔

"دیکھو ہانا۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہو اور کچھ کھانے کو نہ ملے تو میں رونے لگ جاتی ہوں۔ کیا تم مجھے روتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہو؟"، ایمان کے کہنے پر ہانا نے اسے گردن موڑ کر دیکھا تھا، پھر ایک جھٹکے سے صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ چلتی ہوئی ایمان تک آئی اور اس کا ہاتھ تھاما۔

"چلو اٹھو تم بھی۔ میں اکیلے نہیں جا رہی۔"، وہ بولی تھی۔

"ارے یار۔ خود بھی کچھ کر لیا کرو۔۔۔ میری بھوک کے مارے ہمت نہیں ہو رہی اٹھنے کی۔"، وہ یوں بولی تھی جیسے اسے دنیا کا مشکل ترین کام کرنے کو کہا جا رہا ہو۔ ہانا نے منہ پھلا کر اسے

www.novelsclubb.com

دیکھا تھا اور پھر یکدم ہی جھک کر اس کے پیٹ پہ گدگدی کرنے لگی تھی۔ایمان ایسے تڑپ کر اچھلی تھی گویا ایک سو بیس والٹ کا جھٹکا دیا گیا ہو اسے۔

"اے۔۔۔یہ حرکت نہیں۔۔۔پیچھے ہو۔۔۔پیچھے۔"،وہ تیز لہجے میں بولی تھی مگر مجال ہے جو اس کے لہجے کی تیزی کا ذرا سا بھی اثر ہو جاتا ہانا پر۔وہ بغیر رکے کبھی اس کے پیٹ پہ گدگدی کرتی تو کبھی گلے پر۔۔۔ہائے وہ جانتی تھی کہ اسے کہاں کہاں گدگدی ہوتی تھی۔

("مجھے گدگدی بہت ہوتی ہے۔"،ایمان نے دھیرے سے کھلکھلا کر اسے بتایا تھا۔اس وقت وہ دونوں چھت پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ہانا نے اس بات پر ذرا دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

"اچھا۔۔۔تو کہاں کہاں ہوتی ہے تمہیں گدگدی؟"،اس کے پوچھنے پر ایمان نے اپنی کافی کا ایک گھونٹ لیا اور پھر بولی۔

"ویسے تو ہر جگہ ہوتی ہے مگر پیٹ اور گلے پہ زیادہ ہوتی ہے۔"،بہت مزے سے بتایا تھا اس نے اسے۔)

ہائے ابھی کل کی ہی تو بات تھی یہ! اتنی جلدی اس کے خلاف استعمال ہو جائے گی اس کی کمزوری، اس نے سوچا بھی نہیں تھا!

پھر ہانا نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے اٹھایا تھا۔ ایمان کے خوب ڈرامے کرنے پر بھی اسے کھینچتی، دھکے دیتی کچن تک لے گئی تھی۔

***

چولہا جلاتے ہی اس نے اس پر کڑاہی رکھی تھی اور پھر فرصت سے ایمان کی جانب گھومی تھی۔ وہ کچھ ہی فاصلے پر کھڑی فریج میں سے فروزن فوڈ آئٹمز نکال رہی تھی۔ پشت ہانا کی جانب تھی۔ ہانا نے چند لمحے اس کو آنکھیں سکیڑ کر دیکھا، پھر لب دانتوں تلے دباتی چولہے کی جانب مڑی۔ آنچ بہت ہلکی تھی۔ اس نے روٹیٹر گھما کر آنچ ذرا سی تیز کی اور پھر سے ایمان کی جانب گھومی۔

"اور بتاؤ۔۔۔ رضا سے کوئی کانٹیکٹ ہوا؟"، آنکھ دبا کر شوخی سے پوچھا گیا تو ایمان نے ایک ٹیڑھی نظر اس کو دیکھ کر سر جھٹکا تھا۔ ہانا کی مسکراہٹ مزید پھیلی تھی۔ ایمان نے فوڈ آئٹمز نکال کر فریزر کا دروازہ بند کیا اور پھر اس کی جانب آتے کہنی سے اسے ٹھوکا دیا۔

"منہ بند۔"، وہ تنبیہی انداز میں کہتی مڑ کر اب ریک کی جانب گئی تھی اور چند پلیٹس نکالی تھیں۔ پھر یکدم ہی وہ اس کی جانب گھومی اور کمر پر ہاتھ رکھے ایک ابرو اٹھائے اسے دیکھا تھا۔ "ویسے وہ مسٹر وہی تھا ناں؟ وہی کتے والا؟"

اس کی بات پر ہانا نے منہ بناتے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ ایمان نے لب گول کیے سمجھ کر سر ہلایا۔ پھر ہلکا سا مسکرا کر اسے دیکھا۔ "تھا تو ہینڈ سم ویسے۔"

اس کی بات پر ہانا نے انتہائی بدمزہ ہو کر چہرہ پھیرے اسے دیکھا تھا۔

"کے کے سے تو کم ہی تھا۔"، وہ منہ بنا کر بولی تو ایمان نے ایک بیزار سانس خارج کی تھی۔

"پھر بیچ میں آ گیا تمہارا کے کے؟"، وہ الجھن سے بولی تو ہانا ہونہہ کرتی رخ موڑ گئی۔

"جلتے ہیں سب کے کے سے۔"، منہ میں بڑبڑانا وہ نہیں بھولی تھی۔ ایمان نے اس کی بڑبڑاہٹ سن کر مسکرا کر دھیان کام پر لگایا تھا۔ اگلے چند لمحات میں وہ کپڑے سے پلیٹس سوکھا رہی تھی جب ہانا کی فلک شگاف چیخوں کے ہمراہ چولہا بھڑکنے کی آواز پر پلیٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹی تھی۔ اس نے دل پر ہاتھ رکھتے جونہی مڑ کر دیکھا تو آگ کیبنٹس کی اونچائی تک

بھڑکتی سلگتی نظر آئی۔ایمان کی چیخیں بھی بے ساختہ تھیں۔کچن کی زمین پر بے مروتی سے پڑی وہ پلیٹ، چولہے پہ پڑی کڑاہی میں سلگتی وہ کیبنٹ شگاف آنچ اور اس بھڑکتی آگ کے درمیان چیختی وہ دونوں۔۔۔منظر خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ نجانے کیوں مضحکہ خیز بھی لگ رہا تھا۔کڑاہی میں پڑے تیل سے بھڑکتے وہ شعلے دیکھتے ان دونوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

چیخوں سے گھر کی دیواریں تھرا اٹھی تھیں۔جبھی چیختے چیختے ہانا یکدم چپ ہوئی تھی۔پھر چہرہ موڑ کر دھیرے سے ایمان کو دیکھا تھا۔وہ اب بھی حلق پھاڑے چیخ رہی تھی۔اس نے ساتھ پڑا جگ اٹھا کر پانی احتیاط سے اچھال کر آگ بجھائی تھی اور پھر یکدم ہی مڑ کر جگ میں باقی کا بچا پانی اچھال کر ایمان پر پھینکا تھا۔ایمان پل بھر کو ٹھہری تھی۔اور پھر یکدم ہی گھٹنوں پہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑے ہی جھکی۔اور اگلے ہی پل ہنسی کا ایک فوارہ تھا جو چھوٹا تھا۔ہانا بھی ہاتھ سے دھواں چھٹاتے ہوئے چیخوں سے نم ہوئیں آنکھوں کے ساتھ ہی پیٹ پر ہاتھ رکھتے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔اب کچن میں ان دونوں پگلیوں کی ہولناک ہنسی گونج رہی تھی۔ایک زمین پر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بیٹھی پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنستی جا رہی تھی تو دوسری اس کے سامنے کھڑی بمشکل خود کو کھڑا رکھے ہنس رہی تھی۔ ہنستے ہنستے ہانا نے ایمان کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔

"اٹھاؤ تو مجھے۔"، وہ بمشکل دکھتے گلے کے ساتھ بولی تو ایمان نے اس کا ہاتھ تھاما۔۔۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کو اٹھانے کے بجائے وہ بھی ساتھ ہی زمین پر گر گئی تھی۔ اب وہ دونوں فرش پر بیٹھی زوروں سے ہنستی جا رہی تھیں۔ درودیوار نے ایک عجیب نظر ان کو دیکھ کر سر نفی میں ہلایا تھا۔ اونہوں، یہ کوئی پاگل خانے سے بھاگی ہوئی دو پاگل لگ رہی تھیں۔ آنکھیں ہنس ہنس کر بھیگ گئی تھیں۔ پیٹ کے ساتھ ساتھ حلق بھی درد کرنے لگا تھا۔

کچھ فاصلے پر پڑی پلیٹ دکھی تو ایمان نے ہنستے ہنستے بمشکل ہاتھ آگے بڑھا کر اسے پکڑا۔ وہ ٹوٹی نہیں تھی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر سامنے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتی ہانا کو دیکھا تو اس نے بھی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اپنی گردن پہ ہاتھ پھیرا۔

"صد شکر کہ اسٹیل کی تھی۔ کانچ کی ہوتی تو ٹوٹ جاتی فوراً ہی۔"، اس کے بولنے پر ایمان نے آنکھوں میں در آئی نمی کو انگلیوں کے پوروں سے پونچا۔ دکھ کے آنسو دے کر حلق درد کرنے

www.novelsclubb.com

والے لوگوں کے درمیان زندگی میں کچھ ایسے لوگ بھی ہونے چاہئیں کہ جن کے ساتھ انسان ہنسی سے بے حال ہوتے اپنا حلق درد کر دے۔ اپنی آنکھیں نم کر دے اور ہر غم سے بے فکر ہو جائے۔ اس کی زندگی میں وہ ہانا بن گئی تھی۔

***

ڈھلتی دوپہر کے وقت میوزک اسٹوڈیو کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر ایک جانب رکھے صوفوں میں سے ایک پر ہانا بیٹھی تھی۔ آف وائٹ رنگ کے ہم رنگ قمیض شلوار میں ملبوس، سر کے گرد ہمیشہ والے انداز میں اسٹالر لپیٹے۔۔۔ وہ نہایت بے نیازی سے سر جھکائے گٹار پر ساز چھیڑ رہی تھی۔ اس وقت وہاں اس کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا۔ اسٹوڈیو کی دبیز خاموشی میں سازوں کے درمیان اس کی ہلکی سی آواز گونجی تھی۔

"آپ کا ہی کہنا بنتا۔۔۔ کہہ دو ناں۔"، وہ بہت ہی مدھم گنگنانے کے سے انداز میں گا رہی تھی۔ اسٹوڈیو کی دیواروں سے پلٹ کر آتی اس کی آواز سماعتوں میں گھلتی محسوس ہوتی تھی۔ نظریں

www.novelsclubb.com

گٹار کی تاروں کو چھیڑتی اپنی انگلیوں پر جمی تھیں۔ جبھی آندھی طوفان کی مانند ایمان اسٹوڈیو کے اندر داخل ہوئی تھی۔

"رکو رکو رکو۔"، بلند آواز میں کہتی وہ چھوٹے چھوٹے قدم دوڑتی اس کے پاس چلی آئی تھی۔ ہانا نے نگاہیں اٹھا کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"میں بھی سنوں گی ناں۔"، کہتے ہوئے وہ اسی صوفے پر ایک جھٹکے سے بیٹھی تھی۔ بیگ کاندھے سے اتار کر سائیڈ پر رکھا اور پھر دونوں پیر اوپر کر کے پوری طرح سے اس کی جانب رخ کر گئی۔ ہانا سر ہلا کر ایک بار پھر گٹار کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ plectrum سے دھیرے سے تار چھیڑی تو ایک بار پھر اسٹوڈیو میں مدھر سا ردھم گھل گیا۔ اسے یہ ردھم کا گھل جانا بہت بھاتا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔

گود میں ہاتھ رکھ کر بیٹھی ایمان اسے متاثر سی دیکھ رہی تھی۔

"میں شرما کے کہہ دوں گی۔۔۔

www.novelsclubb.com

میں نے بھی دل دیا۔۔۔"، اسی لمحے سامنے دیوار پر لگی شیشے کی کھڑکی سے پردہ ایک پل کو سرکا تھا۔ دھوپ کی نرم کرنیں پل بھر کو اس کے چہرے پر پڑی تھیں۔ اسی پل اسٹوڈیو کے عین باہر سے کوئی گزرا تھا۔ دو ہلکی بھوری آنکھیں ٹھٹک کر ٹھہری تھیں۔ ان کا رخ اندر بیٹھی لڑکی کی جانب تھا۔

وہ سر جھکائے plectrum سے دھیرے سے گٹار پر ساز چھیڑ رہی تھی۔ آف وائٹ دوپٹے کی اوٹ سے نکلتی اس کے بالوں کی ایک لٹ اس کے چہرے پر جھول رہی تھی۔ منظر اور اس سے منسلک ہر ایک شے دھیرے دھیرے ساکن پڑتی گئی تھی۔ یوں جیسے اس ایک لڑکی کے ارد گرد سب دھندلا پڑتا گیا ہو۔ صرف وہ تھی، اس کی مسکراہٹ اور اس کے چہرے پر جھولتی وہ آوارہ لٹ۔

"آنکھوں آنکھوں کا مسئلہ تھا۔۔۔ اچھا تھا۔۔۔"، اب وہ چہرہ اٹھا کر مسکراتی ہوئی اپنی دوست کو دیکھتی گا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا رنگ بھی بھورا تھا۔ ذرا گہرا بھورا۔ التمش کی آنکھوں کی نرمی بڑھتی چلی گئی تھی۔ وہ پیاری تھی۔ نرم سی پیاری۔ بالکل اس کے چہرے پر پڑتی سرما کی نرم

www.novelsclubb.com

دھوپ کی مانند، جس کی گرمائش روح کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ جو دل کی کثافتوں کو جھاڑ دیتی ہے۔

"اب لے جاؤ اپنا بنا کے۔۔۔ مجھے میری جاں۔۔۔"، ہانا نے ایک بار پھر سر اٹھا کر ایمان کو دیکھا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں اشتیاق و ستائش لیے اسے سراہ رہی تھیں۔ وہ مسکرا دی تھی۔ آنکھیں جھپکتے اس نے سر موڑ کر چہرہ سامنے کی جانب پھیرا تھا۔ یہ تبھی تھا کہ اسے کن اکھیوں سے اسٹوڈیو کی کھڑکی کی اوٹ سے وہ باہر کھڑا نظر آیا تھا۔ کھڑکی کے پردے ہوا سے ہولے ہولے جھول رہے تھے۔ انہی جھولتے پردوں کی اوٹ سے نظر آتا وہ۔۔۔ سر کو خم دیئے، مسکراہٹ میں ڈھلے لبوں کے ساتھ وہ آنکھیں اسی پر ٹکائے ہوئے تھا۔ بھوری آنکھوں میں مسرت چمکتی نظر آرہی تھی۔ ہانا نے ایک پل کو اسے دیکھا تھا، لمحے بھر میں آنکھوں میں غصہ ابھرا تھا۔ لب بھینچ کر اس نے رخ پوری طرح سے ایمان کی جانب کر لیا تھا یوں کہ اب التمش کو اس کا چہرہ نہیں نظر آرہا تھا۔ وہ اس کی حرکت پر ایک دم سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔ پھر سر جھٹکتا اگلی جانب بڑھ گیا تھا۔

ہاں مگر اب لب بھی مسکرا رہے تھے۔ کاریڈور سے گزرتے لڑکے کی آنکھوں کے پردوں پر بار بار اس بھوری آنکھوں والی لڑکی کا غصے سے لب بھینچنا ابھر رہا تھا۔ وہ تو غصے میں بھی پیاری لگتی تھی۔ ہاہ! کوئی غصے میں بھی پیارا کیسے لگ سکتا ہے؟ سوچا۔۔۔

اور پھر ہنس دیا!

ہاں وہی غصے میں پیاری لگ سکتی تھی۔

***

جہاز نے اڑان بھری تو اس کے دل کو نجانے کیوں ایک دھکا سا محسوس ہوا۔ اس نے گردن موڑ کر اپنے برابر میں سوتی ایمل کو دیکھا تھا۔ اس نے غزل اور ارشد میں سے کسی کو خبر نہیں کی تھی کہ وہ یوں اچانک، اتنی بڑی وجہ کے باعث پاکستان آرہی ہے۔ اوپر سے وہ دونوں پاکستان میں موجود بھی نہیں تھے۔ اسے رہ رہ کر بس وہ سب یاد آرہا تھا۔ اس کا مانچسٹر سے یوں نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔

وہ اب تک بے یقین تھی۔۔۔ کہ یہ ہو گیا؟ ہو بھی گیا؟

نگاہوں کے سامنے چند دنوں پہلے کا منظر گھوما تو گلے میں گلٹی ڈوب کر ابھری۔۔۔

رات کا آخری پہر چل رہا تھا۔ کمرے میں جلے زیرو بلب کی ہلکی روشنی میں اس کا ہچکولے کھاتا نازک وجود نظر آرہا تھا۔ وہ پلنگ کی پائنتی کے ساتھ ٹیک لگائے، گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے ہوئی تھی۔ رات اس کی نصیر سے کسی بات کو لے کر بحث ہو گئی تھی، جس پر نصیر نے آپے سے باہر ہو کر اس کو بہت مارا تھا۔ اس کا ہونٹ سوجا ہوا تھا۔ گالوں پر ہاتھوں کے نشان بہت واضح تھے۔ بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ سونے سے پہلے اس نے ضوفی سے کہا تھا کہ وہ اٹھنے کے بعد اس کی زبان کاٹ دے گا، کہ اس کی ہمت بھی کیسے ہوئی اس کے سامنے یہ زبان کھولنے کی۔ وہ ہچکیاں بھرتے ہوئے سامنے دیوار پر نصب فوٹو فریم کو دیکھے گئی تھی۔ مسکراتے ہوئے وہ تینوں۔۔۔ ضوفی، نصیر اور ایمل۔ پرفیکٹ ہیپی فیملی۔۔۔

دنیا کی نظر میں، ہاں!

اس کی نظر میں، ایک بہت بڑا "نہ"!

www.novelsclubb.com

"سب کچھ سہہ لینے والے مضبوط نہیں، مجبور ہوتے ہیں۔"، خاموشی کے گھٹتے نغموں کے بیچ ایک آواز ابھری تھی۔ صوفی نے چہرہ جھکا کر اپنے پیروں کو دیکھا تھا۔ کیا ان میں اتنی ہمت تھی کہ یہ اس کے لیے کھڑے رہتے؟

"انسان کے لیے ہمیشہ کوئی اور نہیں آتا۔ بلکہ ہمیشہ ہی کوئی نہیں آتا انسان کے لیے۔ بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی مدد کو کوئی آئے۔ انسان کو اپنے اوپر ہوئی زیادتی کے خلاف خود کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اپنے اوپر اٹھنے والے ہاتھ کو خود روکنا پڑتا ہے۔"، بے اختیار اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی نگاہوں کے سامنے کیے تھے۔ کیا ان میں اتنی ہمت تھی کہ خود پر اٹھتے وار کو روک سکیں؟ کہ اس پر ہاتھ اٹھانے والے کا منہ نوچ سکیں؟ کیا اسے اتنا مشکل کام خود کرنا تھا؟ وہ کیسے کرے گی یہ اتنا مشکل کام؟ وہ کمزور تھی۔ وہ غزل جتنی مضبوط نہیں تھی۔ غزل تنہا دنیا سے لڑ سکتی تھی۔ ضوفشاں میں یہ ہمت نہیں تھی۔

"اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو خود روکنا پڑتا ہے۔ کسی کے لیے کوئی نہیں آتا۔ انسان کو اپنے لیے ہمیشہ خود موجود رہنا پڑتا ہے۔"، کیا واقعی وہ یہ سوچ رہی تھی۔ کیا ایسا ممکن تھا کہ وہ سب چھوڑ

www.novelsclubb.com

کر یہاں سے چلی جائے؟ دیکھتے ہی دیکھتے وہ خود کو سمیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔اس کے جسم کا حصہ حصہ درد کر رہا تھا۔اس کے قدموں کا رخ باہر کی جانب تھا۔کیا وہ یہاں سے جا رہی تھی؟

ماضی کا بلبلہ یکدم ہی پھٹا تو وہ سر جھٹکتی حال میں واپس آئی۔دو دن پہلے تک کون جانتا تھا کہ یہ سب ہو بھی جائے گا؟آج یوں یہاں سے جاتے ہوئے اس کی نگاہوں کے سامنے ایک ایک لمحہ گھوم رہا تھا۔۔۔اذیت اور تکلیف سے بھرا ہر ایک لمحہ۔

***

یونیورسٹی کے وسیع و عریض میدان کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔۔ہر ایک شے کو نفاست اور شائستگی سے سیٹ کیا گیا تھا۔آج رات زونلز کی کلوزنگ سیریمنی تھی۔آج ہی آخری مقابلے تھے اور ساتھ ہی دن کے اختتام پر تمام ونرز اناؤنس ہونے تھے۔ ثمرین کل رات ہی واپس آ گئی تھی۔اس وقت وہ اپنے کچھ پینڈنگ اسائنمنٹ جمع کروانے گئی ہوئی تھی۔

میدان کی جانب جاتی راہداری سے اس وقت ایمان اور رہانا جا رہی تھیں۔ ثمرین کو بھی اسائنمنٹ جمع کروا کر ان کے پاس اسٹوڈیو روم کی جانب آنا تھا۔راہداری سے گزرتی وہ دونوں کھسر پھسر

کرتی ایک دوسرے کے کانوں میں کچھ کہتیں، پھر ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس دیتیں۔ سیدھ میں چلتی راہداری کے آخری سرے پر زینہ تھا جس سے اتر کر میدان کا اگلا حصہ شروع ہو جاتا تھا۔ ابھی وہ اس زینے کی پہلی سیڑھی اتری ہی تھیں کہ ایک دم سے پاؤں مڑنے پر ہانا کا توازن بگڑا تھا۔ وہ بے اختیار لڑکھڑائی تھی۔ مڑے پاؤں کے ساتھ ہلکا سا کراہتے وہ جھکی تھی۔ جبھی اس کے سامنے ایک ہاتھ پھیلایا گیا تھا۔ اس نے جھکے جھکے ہی بے ساختہ سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ سامنے وہی کھڑا تھا۔ ہلکی بھوری آنکھوں والا لڑکا۔ وہ تفکر سے آنکھوں میں نرمی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

پل بھر کو وہ اس کی ہمت پر حیران ہوئی تھی، مطلب ہمت بھی کیسے ہوئی اس کی یوں اس کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی؟؟؟

www.novelsclubb.com

بے اختیار اس نے ایک ابرو اچکا کر اسے یوں دیکھا تھا جیسے کہہ رہی ہو "سیریئسلی؟"

پھر وہ ایمان کی جانب مڑی تھی۔

"ہاتھ دو مجھے۔"، تنک کر بولی تو ایمان نے جلدی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ ایمان کا ہاتھ تھامے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ پھر التمش کی جانب چہرہ پھیر کر ناگواری سے اسے دیکھتی اس کے ساتھ

سے نکل گئی۔ پیچھے پل بھر کو وہ ٹھہرا تھا، پھر سر جھٹک کر ہنس دیا تھا۔ شاید اسے کسی نے بتا دیا تھا کہ ایسے غصے میں وہ کتنی اچھی لگتی تھی۔

"کورین ڈرامے کی پہلی قسط شوٹ ہو۔ میں گروں تو وہ مجھے ہاتھ دے کر اٹھائے۔۔۔اف!"، ایمان آنکھیں میچ کر بولی تو ہانا نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا کہہ رہی ہو؟"

"ایسا ہی کچھ کہا تھا ناں تم نے؟ تمہارے ہی الفاظ دہرا رہی ہوں میں تو۔"، اب کے وہ شانے جھٹک کر بولی تو ہانا نے ہونہہ کیا۔

"خواہشات تمہاری یہ ہیں اور نخرے تمہارے وہ جو ابھی دکھا کر آئی ہو۔ چاہتی تو پہلی قسط شوٹ کر سکتی تھی، مگر نہیں! انڈین ڈرامے کی طرح چھبیس قسطوں تک دھوم تنانا کیے بغیر کہاں مزا آئے گا تمہیں!"، وہ جلے بھنے انداز میں بولی تو ہانا نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔

"تو تمہیں کیا لگ رہا تھا کہ وہ ہاتھ آگے کرے گا تو میں اس کا ہاتھ تھام کر یوں کھڑی ہو جاؤں گی؟ ڈیلوژن بھی کوئی چیز ہوتی ہے بھئی۔ وہ ڈیلوژن ہی رہے تو بہتر ہے۔ حقیقت میں ڈیلوژن

شامل ہونے لگے تو سب عجیب لگنے لگتا ہے۔"، وہ جیسے بدمزہ ہوتی ہوئی بولی تو ایمان نے چارو ناچار سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کچھ چیزیں فینٹسی کی حد تک ہی ٹھیک لگتی ہیں۔"، وہ بولی تو ہانا نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں ناں۔ یہی تو بات ہے ساری۔"

***

نارنجی آسمان تلے بچھا وہ سیٹ اپ دور سے ہی جگمگ کرتا نظر آتا تھا۔ اسٹیج کے عین سامنے نشستوں کا ایک گھمبیر سمندر نظر آرہا تھا۔ اسی سمندر میں ایک جانب رکھی کرسیوں پر ایمان، ہانا، ثمرین اور میرال بیٹھی تھیں۔ آج کی اس سیریمنی میں اس زون میں شامل تمام یونیورسٹیوں سے کچھ سیلیکٹڈ طلباء آئے تھے۔ انہی میں میرال بھی شامل تھی۔ کھلتے نارنجی رنگ کے لباس میں ملبوس بالوں کو اسکارف سے ڈھکے وہ ہمیشہ کی طرح پیاری لگ رہی تھی۔ ایمان کے برابر میں بیٹھی وہ ہر کچھ لمحوں بعد اس کے کان کے پاس جھک کر جوش سے کچھ کہتی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

پھر ہنس دیتی۔ایمان کی دوسری طرف بیٹھی ہانا ہر کچھ لمحات بعد گردن نکال کر اسے دیکھتی، پھر بھنویں اٹھا کر سر نفی میں ہلاتی پھر سے پیچھے ٹیک لگا لیتی۔

ایمان نے ان لوگوں کا ایک دوسرے سے تعارف کروا دیا تھا۔وہ بیچ میں بیٹھی کبھی میرال کی جانب مڑ کر اسے کمپنی دیتی تو کبھی ہانا اور ثمرین کی جانب گھومتی ان سے باتیں کرتی۔ ثمرین کے برابر میں جبران بیٹھا تھا۔اور اس کے بعد اس کے دوستوں کی ایک لمبی قطار۔۔۔اور اسی قطار میں ایک اور انسان بھی بیٹھا تھا۔۔۔اور وہ تھا التمش !

وہ مسکرا کر ہر کچھ دیر بعد سر پیچھے پھینک کر ہانا کو دیکھتا تھا، جس نے اتنی دیر میں ایک بار بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔چند لمحات تک وہ اسے دیکھتا، پھر سر نفی میں ہلاتا مسکرا کر سیدھا ہو جاتا۔البتہ ہانا اس کا یہ دیکھنا، سر نفی میں ہلانا اور مسکرانا خوب سمجھ رہی تھی۔

بے اختیار اس کی نگاہوں کے سامنے کچھ دیر پہلے کا منظر گھوما تھا۔

(وہ دونوں سنگنگ کمپیٹیشن وائنڈ اپ ہوتے ہی بنچز کی جانب چلی آئی تھیں۔شام کا وقت تھا۔سامنے ہی گھاس پر گول دائرہ بنائے لڑکوں کا ایک گروپ بیٹھا تھا۔جبھی ایک طرف سے

www.novelsclubb.com

ثمرین اپنی دوستوں کے ہمراہ انہی کی طرف چلی آئی تھی۔وہ برابر والی بنچ پر بیٹھیں تو ان لڑکوں میں سے ایک ان کی جانب مڑا۔

"کیا تم لوگ کوئی گانا سننا چاہو گے ؟"،ایک نے پوچھا تو ثمرین کی نگاہیں بے ساختہ جبران کی جانب بھٹکی تھیں۔وہ بھی ان ہی لڑکوں کے ساتھ بیٹھا چہرہ موڑے مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔وہ لب دانتوں تلے دباتی اٹھ کر ایمان کے پاس آبیٹھی تھی۔

"اگر آپ لوگ گانا سنا رہے ہیں تو کیوں نہیں! ضرور سنیں گے۔"،وہ مسکرا کر ان سے مخاطب ہوئی تو ان سب نے گردن پھیر کر یکدم ہی التمش کو دیکھا۔وہ گھاس پر دونوں ہاتھ رکھے، سر اٹھائے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔اسے دیکھتے ہی ہانا نے آنکھیں گھمائی تھیں۔

www.novelsclubb.com

"کیا یہ خود کو شاہ رخ خان سمجھ رہا ہے ؟"،وہ مڑ کر ایمان سے بولی تو وہ ہنس دی۔التمش اب بھی ان سب سے لاتعلق آسمان کو دیکھ رہا تھا جب اس کے دوست کے ہلانے پر وہ جیسے سوچوں سے باہر آیا۔

"کوئی اچھا سا گانا سنا دے، التمش۔"، وہ اس کا شانہ ہلاتا بولا تو اس نے بے اختیار ہی سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں بھئی۔ تنگ نہ کرو مجھے۔"

"ہاں اب یہ ڈرامے کرے گا جیسے یہ کوئی سپر اسٹار ہو اور ہم سب اس کے فین۔"، ہانا سر جھٹکتی بولی تو ایمان نے ایک ابرو اُٹھاتے اسے دیکھا۔

"سنا دو بھائی۔"، وہ سب ضد کرنے لگے تھے۔ التمش نے بیزاری سے سر نفی میں ہلاتے چہرہ ان کی جانب موڑا، اور پھر جیسے وہ ٹھہر سا گیا۔ سامنے ہی بنچ پر وہ ایمان کی جانب چہرہ کیے کچھ کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں یکدم ہی چمک اتری تھی۔ وہ سیدھا ہوتا ان سب کی جانب مڑا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، گا لیتا ہوں۔۔۔ مگر گٹار چاہیئے مجھے۔"، وہ بولا تو سب نے اسے ٹیڑھی نظروں سے دیکھا۔

"اب گٹار کہاں سے لا کر دیں تجھے، میرے بھائی؟"، ان میں سے ایک کے پوچھنے پر اس نے آنکھوں سے ہانا کی جانب اشارہ کیا تھا، جو شانے سے گٹار لٹکائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں، لب مسل رکھے تھے۔ اسے دیکھتے ہوئے ہی التمش جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر قدم قدم چلتا اس تک آیا تھا۔

وہ لب بھینچے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا اسے مسکرا کر دیکھتا پوچھ رہا تھا۔

"کیا میں گٹار لے لوں آپ کا؟"، ہانا دھیما سا مسکرا کر کھڑی ہوئی اور شانے پر سے گٹار اتار کر اس کی جانب بڑھایا۔

"شیور، کیوں نہیں! یہ لو۔"، اس نے گٹار نکالتے ہی رکھ کر اس کے سر پر دے مارا تھا۔ وہ بے اختیار کراہا تھا۔

"ارے یہ کیا کر رہی ہیں آپ؟"، وہ پیچھے ہوتے ہوئے بولا تو وہ ایک قدم مزید قریب آئی۔

www.novelsclubb.com

"ارے لوناں۔۔۔یہ لو گٹار۔۔۔اپنا ہی گٹار سمجھو۔"، وہ اس کے شانے، سر اور منہ پر مارتے ہوئے بولی تھی۔

"مس۔"، سوچ کا بلبلہ پھٹاک سے پھٹا تو وہ حال میں واپس آئی۔اس نے سر اٹھا کر خود سے مخاطب التمش کو دیکھا تھا۔

"مس۔۔۔اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو کیا میں پانچ منٹ کے لیے آپ کا گٹار لے سکتا ہوں؟"، وہ سر ہلکا سا جھکائے اس کی آنکھوں میں جھانکتا بولا تو ہانا کا جی چاہا کہ اسی گٹار سے اس کے دانت توڑ دے۔جبراً مسکراہٹ سجائے اس نے چہرہ موڑ کر ایمان کو دیکھا تھا جو مشکلوں سے ہنسی روک رہی تھی۔ایک دانت تو اس کا بھی ٹوٹنا ہی چاہیے۔ہونہہ۔

www.novelsclubb.com

ہانا نے بے بسی سے گٹار شانے سے اتارتے التمش کی طرف بڑھایا تو وہ مسکرا کر گٹار لیتا واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔اب وہ عین اس کے سامنے بیٹھا، چہرہ اس کی جانب کیے، کن اکھیوں سے اسے دیکھتا گٹار پر ساز چھیڑ رہا تھا۔سب پر شوق نگاہیں لیے اسے سننے کے منتظر تھے۔

"میری آنکھوں میں دیکھو تو۔۔۔خود ہی سمجھ جانا۔۔۔"،اس نے گاتے ہوئے چہرہ پوری طرح سے اس کی جانب کیا تھا۔ایمان نے بے ساختہ لب دبا کر مسکراہٹ روکی تھی،پھر چہرہ پھیر کر ہانا کو دیکھا تھا۔وہ گویا کان لپیٹے سر جھکائے اپنے موبائل میں مصروف تھی۔جیسے اس کی بلا سے وہ بھاڑ میں جائے!ایمان نے اسے ٹہوکا مارا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ آنکھوں سے التمش کی جانب اشارہ کر رہی تھی۔ہانا نے بیزاری سے ایک نظر اسے دیکھ کر پھر سے موبائل پر آنکھیں ٹکا دی تھیں۔البتہ کان اب کہ اس کی جانب ہی لگے ہوئے تھے۔

"لب سے نہ نکلا جو۔۔تو دل کی سن لینا۔۔۔"،وہ مسکراتے لہجے میں گنگناتا اب چہرہ موڑ کر باقی سب کو دیکھ رہا تھا۔سب ہوٹنگ کرنے لگے تھے،البتہ ایمان اور ہانا ہی تھے جو خاموش بیٹھے تھے۔

www.novelsclubb.com

"تو۔۔۔۔ہے کیتا وے مجبور۔۔۔۔"،گاتا ہوا وہ اب کے آنکھیں اس کی جانب پھیر چکا تھا۔ گانے کے سروں میں گم وہاں کسی نے بھی اس پر یا اس کی نگاہوں پر دھیان نہیں دیا تھا۔وہ ان ہی

نرم نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جن سے اسے دیکھنے کا وہ عادی ہو چکا تھا۔ ایمان نے ایک بار پھر ہانا کا شانہ ہلایا تو اس نے تنک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہے بھئی ؟"، وہ دبے دبے غصے سے اس سے پوچھنے لگی تو ایمان نے شرارت سے آنکھیں مٹکائیں۔ ہانا کا دل چاہا تھا کہ اسے واقعی ایک مکا جڑ دے۔ خود پر ڈھیروں ضبط کیے وہ گہری سانسیں لیتی موبائل پر جھک گئی تھی، البتہ اسکارف کے اندر کانوں کی لوئیں خوب سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید غصے سے ؟ یا پھر پتا نہیں !

"کہ رہ نہ پاؤں تجھ سے دور۔۔۔ میری گل سن اتھے بے تو۔۔۔"، اب کے وہ ہولے سے گاتا کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے کچھ دوست بھی اس کے ساتھ ہی کھڑے ہوئے، اب سیٹیاں بجاتے، ہوٹنگ کرتے اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ وہ مسکرا کر سر کے خم سے سب کی داد وصول کر رہا تھا۔ گٹار پر پلیکٹرم سے دھن بجاتا وہ مسکرا کر اب اس کے قریب آ رہا تھا۔ ہانا نے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔ سر ہلاتے بالکل قریب پہنچ کر اس نے اس کی جانب دیکھتے ایک آخری بار گٹار کی تاریں چھیڑی تھیں۔

"ہمم۔۔۔"، سماعت میں گھلتی آواز اور وہ مسکراہٹ۔۔۔اس نے اسی مسکراتے انداز میں گٹار اس کی جانب بڑھایا جو کہ ایمان نے فوراً سے اچک لیا تھا۔

"شکریہ آپ کا۔۔۔ہانا ظفر۔"، کہتے ہی اگلے پل وہ مڑ گیا تھا۔سب تالیاں بجاتے اسے داد دے رہے تھے،ایمان نے مسکراہٹ روکے ہانا کی جانب گٹار بڑھایا تو وہ غصے سے گٹار اس کے ہاتھ سے لیتی اٹھ کر وہاں سے جانے لگی۔ایمان ساتھ ہی کھڑی ہوتی اس کے پیچھے لپکی تھی۔

"ارے یہ تو وہی گانا ہے ناں جو تم گا رہی تھی۔۔۔"،ایمان اس کے پیچھے دوڑتی ہوئی بولی تھی۔

"ہانا ظفر۔۔۔ارے یہ گانا۔"،ابھی وہ مزید بولتی ہی کہ ہانا مڑ کر اس کے پاس آئی تھی اور اس کا ہاتھ تھامے تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔ایمان کو دھکے مارتی وہ خفگی سے کچھ کہہ بھی رہی تھی۔

پیچھے طلباء کے ہجوم میں گھرے التمش نے نگاہ اٹھا کر اس خفا خفا سی لڑکی کو دیکھا تھا۔اسے لگتا تھا کہ وہ اس کا سر بھی پھاڑ دے،تب بھی وہ اسے adore کرنا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔اتنی جلدی

www.novelsclubb.com

معاملہ ہاتھ سے کیسے نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔۔۔اف اس لڑکی کی یہ خفا خفا سی صورت ہی تھی جس نے اسے اس کی جانب مائل کرنا شروع کر دیا تھا!)

ہانا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جا کر التمش کا سر کسی ستون کے ساتھ باندھ دے تاکہ وہ گردن پھیر کر اسے دیکھ ہی نہ سکے، مگر ہائے یہ کچھ نہ کر پانے کی بے بسی!

اس نے نگاہیں پھیر کر ایک بار پھر میرال کو دیکھا تھا جو ایمان کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی۔ ایمان بڑے غور سے اسے سن رہی تھی۔اس کی بات ختم ہوئی تو وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس دیں۔بس اب ہانا سے اور برداشت نہیں ہو سکا تھا۔اس نے ایمان کو شانے سے ہلایا تو وہ فوراً اس کی جانب مڑی۔

www.novelsclubb.com

"ونرز کب اناؤنس ہوں گے؟"،اس کے لہجے میں بیزاریت تھی۔

"بس ابھی ہی ہوں گے۔"،اسی لمحے واقعی ڈین مائیک اٹھائے کھڑے ہو گئے تھے۔سب طلباء مکمل طور پر ان کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"زونلز کے تمام میچز کے ونرز اناؤنس کرنے کے لیے میں سر طحہ کو اسٹیج پر دعوت دیتا ہوں۔"، ان کے کہنے پر ایک ادھیڑ عمر استاد اسٹیج پر آئے تھے۔ ہانا اسی وقت ایمان کی جانب مڑی تھی۔

"دیکھنا تم ہی جیتو گی۔"، وہ بولی تو ایمان نے سر نفی میں ہلایا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ تم جیتو گی۔"، وہ بولی تو ہانا ہنس دی۔

"میری بات پر یقین نہیں تمہیں؟"، ایمان سر گھما کر ناراضگی سے بولی تو ہانا نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"ہے ناں۔۔۔"، سر نفی میں ہلاتی وہ ہے ناں ہے ناں کر رہی تھی۔ ایمان نے منہ بگاڑا تھا، پھر ڈین کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

چند مقابلوں کے ونرز اناؤنس ہونے کے بعد اسپیچ کمپیٹیشن کی باری آئی تو ایمان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اسپیچ کمپیٹیشن کی ونر ہیں، ایمان زاویار۔۔۔"، مائیک پر اس کے نام کی گونج ہوئی تو وہ پل بھر کے لیے جیسے ساکت رہ گئی۔ اس کے آس پاس سب خوشی سے اس کے لیے تالیاں بجاتے جا

رہے تھے اور وہ۔۔۔ایک ہی نقطے پر ساکت آنکھیں لیے چند گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ پھر اس نے تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ چہرہ موڑ کر ہانا کو دیکھا تھا۔ وہ اس کا شانہ تھپتھپاتی اسے اسٹیج پر جانے کا کہہ رہی تھی۔ وہ بچپن میں بہت بار اس طرح کے مقابلوں میں حصہ لینے کی کوشش کرتی تھی۔ زاویار صاحب ہر بار اسے منع کر دیا کرتے تھے۔ وہ زندگی میں کبھی کسی چیز میں جیتی نہیں تھی۔ اسے کوشش کرنے کی اجازت کبھی دی ہی نہیں گئی تھی۔ اس کے لیے کبھی یوں تالیاں نہیں بجائی گئی تھیں۔ اس کی جیت پر کبھی کوئی خوش نہیں ہوا تھا۔ اور آج۔۔۔ تالیوں کی اس گونج کے بیچ بیٹھا اسے اپنا آپ بہت عجیب، اندر ہی اندر دھنستا محسوس ہو رہا تھا۔

"ایمان اٹھو ناں۔ جاؤ۔"، ہانا نے قریب ہوتے اسے شانے سے تھپک کر کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھامتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے انداز میں ایک تھکاوٹ سی تھی۔ نجانے کیوں! ہانا بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہوئی تھی۔ ایمان میرال کے سامنے سے گزرتی اسٹیج کی جانب بڑھی تو پیچھے ایک ریلہ سا تھا جو اس کے لیے کھڑا ہوا تھا۔ کیا اس کے الفاظ میں اتنا اثر تھا؟ اتنی تاثیر تھی کہ اس کے لیے یوں تعریفوں کی بھرمار لگا دیں؟

اسٹیج پر سرٹیفکیٹ اور پرائز لیتے ہوئے اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ دل جذبات سے لبریز ہو گیا ہو۔ کتنا خوش آئند تھا ناں یہ احساس!

چند اور ونرز کے بعد سنگنگ کمپیٹیشن کے ونر کے طور پر ہانا ظفر کا نام اناؤنس ہوا تو اسٹیج پر کھڑی ایمان مسکراتے ہوئے تالیاں بجاتی اسے آتا دیکھنے لگی۔ کچھ دنوں سے وہ ایک بات سوچ رہی تھی۔ کہ کیسے اس عجیب گھٹن زدہ زندگی میں وہ مسکرا دیتی تھی۔ زور سے قہقہہ لگا دیتی تھی۔ اپنے دماغ کی بے ربط سوچوں کو کچھ دیر کے لیے دماغ میں کہیں پیچھے دھکیل دیتی تھی۔ اس لمحے اس پر ادراک ہوا تھا کہ یہ سب شاید اس ایک لڑکی کی وجہ سے تھا۔ کیوں تھا؟ کیسے تھا؟ کچھ پتا نہیں!

پتا ہی نہیں چلا کہ کیسے اتنے مختصر عرصے میں وہ اس سے اس قدر قریب ہو گئی کہ وہ اس کے لیے اتنی ضروری ہو گئی تھی۔ شاید وہ کبھی یہ جان نہ پاتی کہ وہ اس کے لیے اتنی ضروری کیوں اور کیسے ہو گئی تھی۔

ہاناپرائزاور سرٹیفکیٹ لے کراس کے برابر میں آکر کھڑی ہوئی تو ایمان نے جوش سے اسے دیکھا۔

"میں نے کہا تھاناں تم جیتو گی۔"، وہ بولی تھی۔

"میں نے بھی کہا تھاناں کہ تم جیتو گی۔"، ہانا نے اسی کے انداز میں بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

***

مغرب کی نماز کے بعد ڈنر بفے لگ گیا تھا۔ وہ چاروں اب بھی ایک ہی میز پر ساتھ بیٹھی تھیں۔ بفے کھلا تو لوگوں کا ایک ہجوم بفے ٹیبلز کے پاس اکٹھا ہو گیا۔ میرال اور ثمرین نے بیٹھ کر ان دونوں کی سیٹ سیکیور کرنے کی ڈیوٹی لیتے ہوئے ان دونوں کو کھانا لینے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ دونوں میز کے پاس موجود رش سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھیں جب ایمان منہ بنا کر ہانا کے قریب ہو کر بولی۔

" صحیح کہتے ہیں لوگ۔ ایسی دعوتوں شادیوں میں کھانا نہیں کھلتا، لوگ کھل جاتے ہیں۔ کھانا بیچارہ تو وہیں اپنی جگہ پڑا رہتا ہے۔"، اس کی بات پر ہانا ہنس دی تھی۔ کچھ دھکم پیل کے بعد وہ

دونوں کھانا لینے میں کامیاب ہو ہی گئی تھیں۔ایمان واپس جانے کے لیے مڑی تو ہانا کے رکنے پر سوالیہ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"نمک چاہئے ناں۔"، اس نے نگاہیں سامنے پڑے نمک دان کی طرف کیں۔اس کے آگے ہی ایک لڑکی متلاشی نظریں ادھر سے ادھر پھیرتی اپنی دوست سے بار بار کہہ رہی تھی۔

"سنو یار۔نمک کہاں ہے؟"، بول کر وہ پھر ادھر ادھر دیکھنے لگتی۔ہانا نے تحمل سے اسے دیکھا تھا۔سامنے ہی تو پڑا تھا۔اس لڑکی کی آنکھیں تھیں یا بٹن؟

کچھ اور منٹ اس نے اس اندھی کی بینائی لوٹنے کا انتظار کیا اور پھر بالآخر چڑ کر ذرا سا آگے ہو کر نمک دان اٹھا کر اس کے سامنے کیا۔لڑکی نے جھینپ کر اسے دیکھتے نمک دان اس کے ہاتھ سے لیا تھا۔

"ڈال کر مجھے دینا ذرا جلدی۔"، ساتھ ہی ہانا نے اس سے کہا تو وہ سر ہلاتی نمک چھڑکنے لگی، پھر مسکرا کر اس کی جانب بڑھایا۔

"بڑی مہربانی۔"، وہ اس کے ہاتھ سے نمک دان لیتی عجلت میں اپنی ٹرے میں رکھے کھانے پر چھڑک رہی تھی، جب پیچھے سے ایک آواز ابھری تھی۔

"آپ کو بلڈ پریشر ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا؟"، وہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑا سادگی سے اسے دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ ہانا نے ٹھہر کر اسے دیکھا تھا، پھر سر جھٹکتی وہ مڑ گئی تھی۔

"نہیں، نمک سے تو نہیں۔۔۔ البتہ لوگوں سے ضرور ہوتا ہے۔"، وہ اپنے مخصوص میٹھی چھری والے لہجے میں بولی تو التمش نے سر جھکا کر بے اختیار مسکراہٹ چھپائی تھی۔ ہانا ایمان کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تو وہ بھی اپنی میز پر چلا گیا۔۔۔ اب اسے اتفاق کہیے یا زبردستی کا اتفاق، مگر وہ ان کے برابر والی میز پر ہی تھا۔

www.novelsclubb.com

ہانا کرسی پر بیٹھی تو اسے اپنے عین مقابل وہ بیٹھا نظر آیا۔ کھانا کھاتے ہوئے اس کا دھیان مسلسل ہانا پر ہی تھا۔ اسے دیکھ کر وہ دھیما سا مسکراتا، پھر اپنے دوست کے قریب جھک کر کچھ کہتا۔ ہانا نے نمک دان سے کھانے پر نمک چھڑکتے ہوئے لب بھینچ کر، سر ہلکا سا اٹھائے اسے دیکھا تھا۔

اسے خود کو دیکھتا پا کر التمش نے لب دبا کر مسکراہٹ روکی تھی، پھر اپنے کھانے پر سر جھکا لیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر سے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو اسی لمحے ہانا نے بھی اس کی جانب دیکھا تھا، وہ اب بھی اپنی پلیٹ میں نمک چھڑک رہی تھی۔ التمش نے جن مشکلوں سے اپنی ہنسی کا گلا گھونٹا تھا، یہ وہی جانتا تھا۔

تبھی ایمان نے یکدم ہی ہانا کا نمک ڈالتا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا تو اس نے گردن موڑ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ایمان بھنویں اٹھائے اسے سختی سے دیکھ رہی تھی۔

"اپنی پلیٹ میں نمک کی کان کھولنے کا ارادہ ہے کیا؟"، وہ التمش کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اب ہانا کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ہانا نے ایک گہرا بیزار سانس خارج کر کے نمک دان میز پر پٹخا تھا، پھر فرصت سے ایمان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ اب کے جب وہ بولی تو انداز جتاتا ہوا تھا۔

"ہاں مجھے نمک کی کان پسند ہے۔ لوگوں کی آنکھوں میں بھی ڈالنی چاہیئے۔"، کہہ وہ ایمان سے رہی تھی اور سنا کسی اور کو رہی تھی۔ اور وہ "کسی اور" اب کے مزید برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تو اس کے دوست نے فوراً اسے دیکھا۔

"کیا ہوا بھائی؟"، اس کے پوچھنے پر التمش نے ہنسی روکتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

ایمان کو دیکھتی ہانا نے آنکھیں گھما کر دوسری پلیٹ میں کھانا نکال لیا تھا۔

***

شام کی جامنی روشنی ہر سو پھیلنے لگی تھی۔ ہر شے گویا اس ٹھنڈی سی تازہ فضا سے تر ہو گئی تھی۔ جبھی کراچی کے پوش علاقے کے ایک گھر کے باہر سیاہ رنگ کی گاڑی آ کر رکی تھی۔ گاڑی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھلتے ہی ایک جانب سے ایمان نکلی تھی تو دوسری جانب سے ہانا۔ اگلی نشست سے نک سک سی تیار ثمرین باہر آئی تھی۔

ایمان نے آج سفید رنگ کا جوڑا پہن رکھا تھا۔ چہرے پر معمولی سا میک اپ کیے وہ پیاری لگ رہی تھی۔ اگلی جانب سے چل کر آتی ہانا نے زمرد رنگ کی گھٹنوں تک آتی فراک زیب تن کر

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رکھی تھی۔ہلکا پھلکا میک اپ کیے وہ بھی مسکراتی پیاری لگ رہی تھی۔ایمان کے قریب آتے ہی وہ اس کے کان کے پاس جھکی تھی۔

"ایمان۔۔۔آکورڈ لگ رہا ہے بہت۔۔۔انہوں نے مجھے دعوت بھی نہیں دی اور میں پاگلوں کی طرح منہ اٹھائے چلی آرہی ہوں۔"،اس نے کچھ اضطراب سے کہا تو ایمان نے اسے اس بات پر گھورا۔

"ہانا۔۔۔سو بار کہہ چکی ہوں کہ میرال نے مجھے خود کہا ہے کہ ہانا اور ثمرین کو لے کر آنا۔"، ایمان نے دانت پیس کر کہا تو اب کی بار ثمرین بھی ہاتھ مروڑتی کچھ آگے آئی۔

"کہہ رہی تو صحیح ہے ہانا،ایمان۔۔۔تھوڑا سا آکورڈ تو مجھے بھی لگ رہا ہے۔"،وہ دانت تلے ہونٹ دبائے بولی تو ایمان نے اب کی بار ایک گہرا سانس فضا کے سپرد کیا اور کمر پر ہاتھ رکھے وہ تھوڑا جھک کر گاڑی میں دیکھ کر ذرا بلند آواز سے بولی۔

"بہادر بھائی۔آپ بھی آجائیں اندر۔"،اس کے کہنے پر بہادر بھائی نے یکدم ہی سر نفی میں ہلایا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہ بچے۔ آپ لوگ جاؤ۔ مجھے ویسے ہی کہیں جانا ہے۔"، وہ بیک ویو مرر میں دیکھتے ہلکا سا مسکرا کر بولے تو ابھی ایمان کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ ثمرین نے یکدم ہی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے کچھ بھی کہنے سے روکا تھا۔ پھر مڑ کر بہادر بھائی کو دیکھا تھا۔

"آپ جائیں، بہادر بھائی۔ ہم رات تک فری ہو جائیں گے تو آپ کو کال کر لیں گے۔"، وہ نرمی سے مسکرا کر بولی تو بہادر بھائی اللہ حافظ کرتے گاڑی زن سے آگے بڑھا لے گئے۔ پیچھے ایمان نے سوالیہ نگاہوں سے ثمرین کو دیکھا تھا۔

"آج مغرب کے بعد قیوم کی برسی شروع ہے، ایمان۔ آج کی شام وہ اس کی قبر پر ہی رہنے والے ہیں۔۔۔ ویسے بھی تم ان کو جتنا بھی انسسٹ کر لو گی، وہ کبھی نہیں آئیں گے۔ میں ان کو جانتی ہوں۔"، وہ بولی تو ایمان یکدم چپ سی ہو گئی۔ کچھ لمحات عجیب سی خاموشی حائل رہی تھی۔ جبھی ہانا نے ایک بار پھر ایمان کو کہنی سے ہلایا تھا۔

www.novelsclubb.com

"دیکھو میری بات سنو۔ ہماری بات چیت میرال سے ہوئی ہے۔۔۔اس کے گھر والے تو ہمیں نہیں جانتے۔ کتنا عجیب لگے گا یار۔"، وہ منہ پھلا کر بولی تو ایمان نے اب کے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کے گال کی چٹکی بھری تھی۔

"نہیں لگے گا عجیب، میری ماں۔ میں گارنٹی دے رہی ہوں۔"، وہ بولی تو ہانا نے اگلے ہی پل نفی میں سر ہلایا۔

"ایسے لوگوں کی گارنٹی نہیں مانتے ہم بھئی۔ کیوں ثمرین؟"،اس کی بات پر ثمرین نے دانت نکال کر زور وشور سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ایمان نے ایک چپت ثمرین کے شانے پر لگا کر ایک ایک ہاتھ سے دونوں کو تھاما تھا اور پھر کھینچتی ہوئی داخلی گیٹ کی جانب بڑھ گئی تھی۔ گیٹ صابرہ بی نے کھولا تھا۔ایمان کو دیکھتے ہی وہ مسکرا کر اس کے گلے لگی تھیں۔ پھر ان تینوں کے سر پر ہاتھ پھیرتی دروازہ بند کرتی ان کے پیچھے پیچھے ہی آگئی تھیں۔ وہ گھر میں جو نہی داخل ہوئے، سامنے سے ہی سیڑھیاں اترتی ہوئی میرال نظر آئی۔ ہلکے گلابی رنگ کے جوڑے میں ملبوس، سر کے گرد کپڑوں کے ہم رنگ اسکارف باندھے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ان پر نظر پڑتے ہی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی فوراً سے ان کی جانب دوڑی چلی آئی تھی۔

"آخر آ گئیں یہ دونوں۔یہی ڈر رہی تھی میں کہ ایسا نہ ہو کہ یہ ڈرامے کریں آنے میں۔"،وہ ایمان کو گلے لگاتی خوشی سے کہہ رہی تھی۔ایمان سے گلے مل کر اب وہ ان دونوں سے بھی گلے مل رہی تھی۔ایمان نے ان دو خوش دلی سے ملتی لڑکیوں کو دیکھا تو ابرو اچکائی۔

"نہ پوچھو کہ کتنے ڈرامے کیے ہیں ان دونوں نے۔تمہارے گھر کے باہر کھڑے ہو کر بھی ان کے ڈرامے ختم نہیں ہوئے تھے۔"،وہ سر جھٹکتی بولی تو میرال نے حیرت و ناراضگی کے ملے جلے تاثرات لیے ان دونوں کو دیکھا تھا۔ثمرین کے تو دانت اگلے ہی پل نکلے تھے۔ہانا بھی شرمندگی سے مسکرائی تھی۔

"جھوٹ بول رہی ہے یہ۔مذاق ہے مذاق۔"وہ مسکرا کر بولی تو میرال نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"توبہ ہے۔"،وہ بولتی یکدم ہی سیدھے ہاتھ کی جانب جاتی چھوٹی سی راہداری کی جانب بڑھی تھی۔ذرا سا آگے جا کر اس نے تھوڑی بلند آواز میں کہا تھا۔

"مما۔۔۔آجائیں بھئی۔آگئیں یہ تینوں۔"، اگلے کچھ پلوں میں اندر سے ایک نفیس سی خاتون باہر آتی دکھائی دی تھیں۔وہ میرال کی والدہ ہی تھیں۔ان تینوں کو دیکھتے وہ مسرت سے مسکرائی تھیں۔

"ماشاءاللہ بھئی۔بچیاں تو بڑی پیاری لگ رہی ہیں۔"، اب وہ باری باری سب سے مل کر واپس کچن کو جاتی راہداری کی جانب بڑھ گئی تھیں۔شاید وہ کھانے کے انتظامات دیکھ رہی تھیں۔

میرال اب ان کو لیے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔جاتے جاتے وہ ایمان کے کان کے پاس جھکی تھی۔

"پتا ہے؟کامل اتنا ہینڈسم لگ رہا ہے۔"، وہ آنکھیں میچ کر بولی تو ایمان نے مسکراہٹ دباتے ایک ابرو اٹھائی۔

"اچھا جی۔"، وہ اس کے بازو پر چٹکی بھر کر شرارت سے بولی تو میرال رخساروں کو ہاتھوں میں چھپاتی کھلکھلادی۔

وہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے ابھی کچھ ہی فاصلے پر تھے کہ انہیں دروازے کے عین سامنے کامل بیٹھا نظر آیا تھا۔ کریم رنگ کے شلوار قمیض پہنے، سلیقے سے بال سیٹ کیے، وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا کسی کی بات سن رہا تھا۔ اسی لمحے اس کی نظر ان کی جانب اٹھی تھی اور اگلے ہی پل ٹھہری تھی۔ میرال کو دیکھ کر نہیں، ایمان کو دیکھ کر۔ اس کا سانس جیسے ایک پل کو رکا تھا۔ یا شاید وہ سانس لینا بھولا تھا۔ کیا وہ واقعی ایمان ہی تھی جو میرال کے ساتھ چلی آ رہی تھی؟ کیا واقعی؟ اس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مہینوں سے وہ جس لڑکی کو ٹریس کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کر رہا تھا، وہ لڑکی یوں آج اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا منہ شاک کے مارے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔

کسی اور کا منہ بھی اس پل شاک کے مارے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ وہ ہانا تھی۔ اس کے قدم یکدم ہی ٹھہر گئے تھے۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئی تھیں۔ وہ سیدھا کامل کو ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میرال کے گھر جانا اس کے لیے اتنا خوش آئند ثابت ہو گا۔ وہ کامل کریم ہی تھا جو اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہی کامل کریم جسے وہ اتنے دنوں سے فالو کیے ہوئی تھی۔ کے کے!

اوہ واؤ!

ایمان نے کامل کو خود کو دیکھتا پا کر ہلکا سا سر جھکائے مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا۔اب وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا ایکسکیوز کرتا باہر بڑھ آرہا تھا۔اسے آتا دیکھ وہ سب ڈرائنگ روم سے کچھ ہی فاصلے پر ٹھہر گئی تھیں۔وہ ڈرائنگ روم سے تیزی سے باہر آیا تھا اور آتے ہی ان کے پاس چلا آیا تھا۔

"ایمان۔۔۔یہ تم ہو؟ یہ واقعی تم ہو؟"، وہ حیرت اور بے یقینی سے کبھی ایمان کو دیکھتا تو کبھی میرال کو۔ایمان نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"میری شکل کی کوئی اور لڑکی بھی ہے کیا؟"، وہ ہنس کر بولی تھی۔

"یااللہ! میں تمہیں ابھی بتا بھی نہیں سکتا ایمان۔میرے الفاظ جیسے غائب سے ہو گئے ہیں۔تم ٹھیک ہو؟"، وہ تفکر سے بولا تو اب کے ایمان نے میرال کو دیکھا۔

"کیا سب بتا دیا اسے؟"، اس نے میرال کو منع کر رکھا تھا کہ ابھی کامل کو کچھ نہ بتائے۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ آتے ہی پریشان ہو جائے۔مگر میرال کا نفی میں ہلتا سر دیکھ کر اس نے نا سمجھی سے کامل کو دیکھا تھا۔

"میں نے تو ابھی کچھ نہیں بتایا۔"، وہ بولی تو ایمان نے کامل کو دیکھا۔

"لمبی کہانی ہے بہت، ایمان۔ سب سے مل لیتے ہیں، پھر بتاؤں گا۔"، وہ ایک آخری بار اس کو دیکھ کر ہانا اور ثمرین کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ ہانا اب بھی خوشگواریت بھری بے یقینی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"السلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ دونوں؟"، اس نے نرمی سے پوچھا تو ثمرین نے مسکرا کر "بہت اچھی" کہہ کر جواب دیا البتہ ہانا اب تھوڑی نارمل ہوئی تھی۔ اسے شاید یقین آگیا تھا کہ یہ واقعی کے کے ہی ہے۔ اس نے دھیما سا مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"الحمدللہ ٹھیک۔ آپ کیسے ہیں؟"، اس کے پوچھنے پر کامل نے مسکرا کر اپنی خیریت بتائی تھی اور پھر میرال کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ وہ اب بھی کنفیوژڈ سی سوالیہ نگاہوں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔ انداز معصومانہ تھا۔ آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایسے دیکھتی ایک پل کو وہ کتنی پیاری لگی تھی۔۔۔ اف! کامل سر جھٹک کر مسکرا دیا تھا۔

"لمبی کہانی ہے، میرال۔ سکون سے بتاؤں گا۔"، اب وہ سب اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔ اندر ڈرائنگ روم میں خوب رونق جمی تھی۔ ایک جانب رکھے صوفے پر حائمہ اور کریم صاحب بیٹھے سامنے بیٹھے میرال کے والد سے محو گفتگو تھے۔ کامل اور میرال کی معیت میں وہ لوگ جو نہی اندر داخل ہوئے، سب کی نگاہیں ایمان کی جانب اٹھی تھیں۔ حائمہ اور کریم صاحب کی آنکھیں باقاعدہ پھیلی تھیں۔ حائمہ سینے پر ہاتھ رکھتیں سب سے پہلے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ایمان اب سب سے ملتی ان کے قریب آرہی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ حائمہ نے یکدم ہی آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا تھا۔

"ایمان۔۔۔ میری بچی۔ تم یہاں ہو؟"، وہ بہت بے یقینی سے کہہ رہی تھیں۔ پہلے کامل کا وہ ری ایکشن اور اب حائمہ کا، وہ کافی کنفیوژن کا شکار ہو گئی تھی۔ ایسا کیا ہو گیا تھا؟

پیچھے ہانا اور ثمرین بھی سب سے مل رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم کا منظر دیکھا جاتا تو سب کے چہروں پر مسکراہٹوں کے رنگ بکھرے نظر آتے۔ چہرے طمانیت سے دمک رہے

www.novelsclubb.com

تھے۔شام کی نیلگوں روشنی رات کی تاریکی کا سفر طے کرنے لگی تھی۔ہر شے اور ان کی چمکتی آنکھیں اندھیرے میں جگنوؤں کا منظر پیش کرنے لگی تھیں۔

***

رات میں ٹھنڈ کافی حد تک بڑھ گئی تھی۔ہوا میں اچھی خاصی خنکی کا احساس ہوتا تھا۔اگر نگاہ چھت پر ڈالی جاتی تو ایک جانب لکڑیوں پر آگ جلائی گئی تھی۔آگ کے ارد گرد ہی وہ حدت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔کرسیاں لگا رکھی تھیں اور ساتھ ساتھ سنیکس کھاتے ہلکی پھلکی باتیں بھی جاری تھیں۔

اس سمے ایمان دھیمے سے انداز میں کچھ بولتی نظر آ رہی تھی۔آنکھیں سرخ و نم تھیں۔سردیوں کی موٹی شال اوڑھے خود کو ٹھنڈ سے بچانے کی کوشش بھی کی جا رہی تھی۔کامل سنجیدہ سا اسے سن رہا تھا۔باقی سب کو پوری داستان معلوم تھی۔صرف وہ ہی بے خبر تھا۔اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اس کے پسیجتے دل کی خبر دیتے تھے۔ذرا قریب جا کر سنا جاتا تو آواز واضح ہوتی۔

www.novelsclubb.com

"میں اس رات بہت ڈر گئی تھی۔۔۔زندگی میں بہت صبر کیا تھا۔۔۔مگر اس رات ہمت ختم ہو گئی تھی۔میں نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یا اللہ سب قبول ہے، یہ نہیں۔اگر آج میرے ساتھ یہ ہو گیا، تو شاید میرا ایمان محفوظ نہ رہ سکے۔۔۔میں اتنی مضبوط مومن نہیں ہوں ناں۔"، اس نے کامل کو مٹھی بھینچتے دیکھا تھا۔اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔لب بھینچ رکھے تھے۔کیسے ہیں ناں ہم بھی! اپنے مسئلوں میں ہمیشہ دوسروں کو بھول جاتے ہیں۔ہمیں لگتا ہے کہ جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے، اس سے برا کسی کے ساتھ کیا ہی ہو گا، مگر شاید ہم بھول جاتے ہیں کہ اس دنیا کا ہر انسان پیدا ہوتے وقت اپنے حصے کی آزمائش اپنے ساتھ لاتا ہے۔

وہ خاموش ہوئی تو سب کی آنکھیں نم تھیں۔ہانا نے لب بھینچے اپنی آنکھوں میں ابھرتی سرخی کو ہاتھ سے رگڑا تھا۔ایمان اسے کافی کچھ بتا چکی تھی، مگر آج یوں ایک ایک لمحے کی اذیت جان کر اس کا دل پسیجا تھا۔اب کے کامل نے ایک گہرا سانس لے کر کچھ توقف سے پوچھا تھا۔

"اب ٹھیک ہو تم؟"

ایمان نے لاشعوری کے سے انداز میں شانے اچکائے تھے۔

www.novelsclubb.com

"شاید ہاں۔ شاید نہیں۔ شاید تھوڑی۔ شاید تقریباً۔"، کامل کرسی پر جھکا تھوڑا آگے سرکا تھا۔

"تم روحان کو کال کر لو ایک بار۔ بتا دو اسے کہ تم کہاں ہو، کیسی ہو۔ وہ رضا کو بتا دے گا تو وہ بھی اطمینان میں آجائے گا۔"، اس کی بات سن کر ایمان نے بے ساختہ ہی تلخی سے سر جھٹکا تھا۔

"کہیں پڑھا تھا میں نے۔۔۔ کہ جنہوں نے تاریک بن میں چھوڑ دیا، انہیں کوئی حق نہیں یہ جاننے کا کہ بھیڑیوں نے ہمارے ساتھ کیا کیا۔"، اس کی بات پر کامل نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وہ اب بھی اسی تلخی سے کہتی جا رہی تھی۔ "رضا سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ جہاں رہے، خوش رہے۔ میں اکیلی ہوں، مجھے اپنی مشکلات بچپن سے اکیلے ہی جھیلنی پڑی ہیں۔ روحان نے میرا ساتھ دیا۔ اس نے مجھے اس جہنم نما بھٹی سے نکلنے میں مدد دی۔ مگر اس کے بعد اس نے مڑ کر بھی پوچھا کہ میں کس حال میں ہوں؟ میں زندہ ہوں یا مر گئی؟ اگر اس رات وہ درندہ مجھے نوچ ڈالتا تو کسے خبر ہوتی؟ اگر اس رات بھٹکتے ہوئے میں کسی ٹرک کے نیچے کچلی جاتی تو کون میرا پرسان حال ہوتا؟"، بولتے بولتے اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے

آنسو ٹپکنے لگے تھے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ مگر کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو حلق میں اٹک کر انسان کو تکلیف دیتے ہیں۔ وہ تمام الفاظ بھی ایسے ہی تھے۔

وہاں موجود سب لوگ اسے تڑپتے دل اور ترحم کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ اس کی تکلیف اس کی آواز کی ٹوٹ پھوٹ میں جھلکتی تھی۔ کامل نے نم افسردہ آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ بول کر اب لب بھینچے، ہاتھ کی پشت سے اپنا چہرہ رگڑ رہی تھی۔ یکدم ہی ہانا نے آگے بڑھ کر اس کی پشت تھپتھپائی تھی۔ ایمان نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم نے کہہ لیا۔ اپنی طرف کی کہانی سامنے رکھی۔۔۔ مگر آج میں یہاں روحان کا وکیل ہوں، ایمان۔"، کامل سنجیدہ ٹھہری ہوئی آواز میں کہنا شروع ہوا تو ایمان سمیت باقی سب نے بھی اسے حیرت سے دیکھا۔ اتنا سب ہونے کے بعد بھی آج وہ روحان کا دفاع کرنے بیٹھا تھا یہاں؟ ایمان کی آنکھوں میں افسوس ابھرا تھا۔ وہ اب بھی آہستگی سے کہہ رہا تھا۔

"جس رات وہ تمہیں چھوڑ کر واپس گیا، راستے میں اسے ایک ٹرک نے بری طرح ہٹ کیا۔"، رات کی تاریکی یکدم ہی بہت زیادہ گھلتی محسوس ہوئی تھی۔ ایمان کو اپنا وجود اس تاریک سناٹے

www.novelsclubb.com

میں ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔ دل بھی یونہی ڈوبا تھا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ "گاڑی کا برا حال ہو گیا۔ اسے ایمرجنسی میں ہسپتال پہنچایا گیا۔ اس کی بیوی اور بہن گھر میں تنہا تھیں۔۔۔ انہوں نے صبح ہونے تک اس کا انتظار جس طرح کیا تھا، یہ صرف وہی دونوں جانتی ہیں۔ صبح ان کو ہسپتال سے کال آئی تو ان کے دل کا کیا حال ہوا ہو گا، یہ تم نہیں سمجھ سکتی، ایمان۔ تم بالکل نہیں سمجھ سکتی۔"، اب کے کامل کی سیاہ آنکھوں میں مزید سیاہی گھلی تھی۔ اندر ہی اندر دل سکڑ کر پھیل رہا تھا۔

"اڑتالیس گھنٹوں تک وہ بے ہوش رہا۔ اڑتالیس گھنٹوں بعد وہ ہوش میں آیا تو جانتی ہو اسے کیا خبر ملی؟ اسے بتایا گیا کہ اب وہ شاید پھر کبھی نہ چل سکے گا۔"، میرال نے شاک کے مارے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔ کرسی کے ہتھے پر رکھے ایمان کے ہاتھ تھرتھرا کر رہ گئے تھے۔ یہ وہ کیا سن رہی تھی؟ کیوں سن رہی تھی؟ "اس کے گھر کا ایک ایک فرد تڑپتا رہا، ایمان۔۔۔ مگر جانتی ہو کیا؟ اس نے ان میں سے کسی ایک کو بھی تم پر کچھ کہنے کا موقع دیا نہ اجازت۔ وہ چاہتا تو تمہیں کوستا۔ چاہتا تو ہر ایک کو تمہیں کوسنے دیتا۔ مگر وقار تو دیکھو اس کا۔ اس نے تمہیں سب کی نظروں میں گرنے نہیں دیا۔"

جھینگر کی مدھم آواز ماتم کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

"اپنی طرف کی کہانی میں ہم ہمیشہ مظلوم ہی ہوتے ہیں، مونی۔ مگر جانے انجانے میں دوسروں کی کہانی میں اکثر ولن بن کر رہ جاتے ہیں۔اس میں شاید کبھی کبھار غلطی ہماری بھی نہیں ہوتی۔۔۔ قسمت کا لکھا نہ پلٹا جا سکتا ہے نہ بدلا۔ کوشش کرو کہ کبھی اپنی کہانی دیکھنے کے ساتھ ساتھ دوسرے کی کہانی کا پہلو نظر انداز نہ کرو۔ کسی کو اتنی جلدی جج نہ کیا کرو۔"، وہ بول کر خاموش ہو گیا تھا۔ایک احساس تھا جو گردن سے اس کو یکدم ہی جکڑنے لگا تھا۔ جیسے اس احساس نے اسے پکڑ لیا ہو، اور اب وہ دھیرے دھیرے گردن سے پھیلتا اسے تکلیف دینے لگا ہو۔

"کامل، روحان کیسا ہے اب؟ ٹھیک تو ہے ناں وہ؟"، میرال نے فکر مندی سے کامل کو دیکھ کر پوچھا تو اس نے ایک آہ بھری۔

"پہلے سے بہت بہتر ہے، رب کا شکر۔۔۔ مگر ابھی اس کی ایک آخری سرجری رہتی ہے۔"، اس نے بتایا میرال کو دیکھ کر تھا مگر کن اکھیوں سے وہ ایمان کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ الفاظ سے خالی، سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کبھی محسوس کیا ہے وہ احساس؟ کہ آپ کی وجہ سے کسی

کی زندگی برباد ہو گئی ہو؟ کہ آپ کی ایک غلطی نے سب غلطاں کر دیا ہو؟ کسی دوسرے کی زندگی میں کہرام مچا دیا ہو؟ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے یہ احساس! بہت اذیت ناک! حد سے زیادہ!

"حادثے کے تقریباً ایک ماہ بعد وہ کینیڈا آ گیا تھا علاج کے لیے۔ حسنہ کی اس کے ساتھ رخصتی بھی کر دی گئی سادگی سے۔ ابھی چند ہفتوں قبل اس کا میجر آپریشن ہوا تھا جس کی کامیابی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا اپنے پیروں پر پھر سے کھڑا ہونا ممکن ہے۔ میرے رب کا لاکھ شکر کہ اس نے رحم کیا۔"، ایمان کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ کتنے گم ہو جاتے ہیں ناں ہم اپنے غموں میں؟ کہ اپنی ذات سے دوسروں کو پہنچائے غموں پر دھیان ہی نہیں جاتا۔ اتنی مطلبی کیسے ہو گئی تھی وہ! اتنی سنگدل تو وہ کبھی بھی نہیں تھی۔

"اس نے تم سے رابطہ کرنے کی بہت کوششیں کیں، ایمان۔ وہ صرف تمہاری خیریت جاننا چاہتا تھا۔ میں تقریباً پچھلے دو تین ماہ سے تمہیں ٹریس کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اللہ کا شکر کہ تم خیریت سے ہو۔"، وہ بولا تو ایمان کی آنکھ سے آنسو پھسلتا ہوا رخسار پر بہہ چلا۔ وہ اسے بتانے

www.novelsclubb.com

سکی کہ وہ بھی ٹھیک نہ تھی۔ کہتے ہیں ناں کہ دوسرے کی تکلیف میں اپنی تکلیف کاذکر نہیں کیا کرتے۔

***

آج ان کی پاکستان واپسی تھی۔ ثمرین کے ہمراہ ایمان صبح سے تیاریوں میں مصروف تھی۔ ایئرپورٹ سے غزل کو پک کر کے بہادر بھائی نے سیدھا گھر لانا تھا۔ارشد صاحب وہیں سے اپنے گھر جانے کاارادہ رکھتے تھے۔ پھر اگلی صبح زید بچوں کے ساتھ گھر آنے والا تھا۔

جہاز کی ونڈو سیٹ پر بیٹھی غزل ویران سی دکھتی تھی۔اسے کچھ محسوس کیوں نہیں ہو رہا تھا؟ یا شاید صرف افسردگی محسوس ہو رہی تھی۔وہ امید کیے آئی تھی کہ انصاف ضرور ملے گا۔ مگر بھول گئی تھی کہ انسانوں کی اس دنیامیں انصاف پانا بہت مشکل ہے۔اس کے برابر والی سیٹ پر ارشد آنکھیں موندے ہوئے تھے۔ان کے چہرے پر بھی تھکاوٹ رقم تھی۔

جبھی ارشد صاحب کے برابر میں بیٹھے فیضان کا فون چنگھاڑاتھا۔غزل لاشعوری طور پر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔اس نے فون کان سے لگا کر "ہیلو" کہااور پھر اگلی جانب کہی جانے والی

بات سننے لگا۔ بات سنتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات نہایت بے یقینی کے سے تھے۔ آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئیں اور منہ مارے بے یقینی کے کھلا ہوا۔ فون ہنوز کان سے لگائے اس نے چہرہ موڑ کر غزل کو دیکھا تھا۔

"جس جیل میں تینوں ملزمان کو رکھا گیا تھا، وہاں کل رات آگ لگ گئی۔"، اس کے بولنے پر جہاں غزل نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا تھا، وہیں ارشد صاحب نے کسلمندی سے آنکھیں کھول کر فیضان کو دیکھا تھا۔ وہ اب مزید کہہ رہا تھا۔

"جیل کے جس حصے میں وہ تینوں تھے، وہیں سب سے خطرناک آگ بھڑکی تھی۔ ان میں سے دو ایکسپائر ہو گئے ہیں جبکہ ایک کریٹیکل حالت میں ہسپتال میں ہے۔"، وہ ٹھہر ٹھہر کر، اگلی جانب سے سن کر، نہایت بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔

غزل سائیں سائیں کرتے دماغ کے ساتھ اسے سنتی جا رہی تھی۔ بے یقینی۔۔۔ ہاں یہی وہ کیفیت تھی جو اس پل اس پر غالب تھی۔ انصاف؟؟ وہ انصاف مانگ رہی تھی ناں اللہ سے؟ تو کیا یہ تھا

www.novelsclubb.com

وہ انصاف ؟ اتنی جلدی ؟ اتنا واضح ؟ نگاہوں کے عین سامنے ؟ رونگٹے کھڑے ہونا کیا ہوتا ہے، وہ حقیقتاً محسوس کر سکتی تھی۔ اللہ نے انہیں خطرناک ترین موت دی تھی۔ جلنے کی موت !!!

اس نے بے اختیار چہرہ موڑ کر ارشد صاحب کو دیکھا تھا۔ وہ بھی اس ہی کے جتنے بے یقین نظر آتے تھے۔ فیضان اب فون پر چند مزید باتیں کر رہا تھا۔ غزل نے زوروں سے دھڑکتے دل کے ساتھ چہرہ کھڑکی کی جانب موڑا تھا۔ وہ بے یقین تھی۔ اس کا بے یقین ہونا بنتا بھی تھا۔ میں نے کہا ناں، زندگی میں کبھی کبھی ہماری نگاہوں کے سامنے بہت کچھ ایسا ہونے لگتا ہے کہ ہم بے یقینی کی کیفیت میں گھرے بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ سن۔ ساکت۔

***

www.novelsclubb.com

رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں میز کے سامنے بیٹھی لیپ ٹاپ پر کھٹا کھٹ ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔ سیاہ آنکھیں ہلکی ہلکی سرخ ہو رہی تھیں۔ ان میں بہت سے جذبات نظر آتے تھے۔ بہت سی ان کہی باتیں۔ بہت سے ان کہے دکھ۔

"وہ سوچتی تھی کہ کتنی زیادتی ہو رہی ہے ناں اس کے ساتھ۔ ہر کوئی آکر اس کے ساتھ ہی برا کر جاتا ہے۔ زندگی کی ساری مصیبتیں اس پر ہی ٹوٹ پڑی ہیں۔ سارے غم اسی کی جھولی میں آئے ہیں۔ مگر ان سب کے ساتھ اس شام کی وہ ایک ملاقات۔۔۔ سب ہلا کر رکھ گئی تھی۔"، اس نے پل بھر کو ہاتھ روک کر اپنے ہی لکھے الفاظ کو دیکھا تھا۔ وہ "راہ گزر" پر کام کر رہی تھی۔۔۔ مگر آج اسے اندازہ ہوا تھا کہ اپنی زندگی پر بیتی ہر ایک چیز کو یوں قلمبند کرنے کے لیے جگرہ چاہیے تھا۔ یہ کہانی دل پر بہت بھاری سی محسوس ہوتی تھی۔

"پہلے وہ سوچنے لگی تھی کہ زندگی بس اب ختم ہے۔ آگے کچھ نہیں۔ پیچھے سب کچھ ہے۔ جو پیچھے رہ گیا، وہی تو اس کا کل اثاثہ تھا۔۔۔ مگر زندگی کے کسی موڑ پر، دنیا کی تیزی سے جاتی بھیڑ میں کہیں کچھ لوگ، کچھ چیزیں، کچھ باتیں، کچھ لمحے یوں ہی آکر دل کا بہت سارا بوجھ ہلکا کر دیتے ہیں۔ وہ ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ زندگی میں تو ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ ابھی تو بہت سے ٹراما ز سے ہیل ہونا ہے۔ بہت سی خوشیاں دیکھنی ہیں اور غم بھلانے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو دکھانا ہے کہ جس 'میں' کو وہ گرا کر ڈھا دینا چاہتے تھے، وہ 'میں' ساری قوت سے ان کے سامنے آکھڑی ہوئی ہے۔ جڑ کر، پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہو کر۔"

ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں کچھ ابھرا تھا، شاید نمی، شاید گُلابی پن۔ "زندگی کا ہر موڑ اسے بہت کچھ سکھا رہا تھا۔ اللہ نے اس کی زندگی میں اسے گائیڈ کرنے کو بہت سے لوگ بھیجے تھے۔۔۔ ہر موڑ پر۔ وہ کہنا نہیں جانتی تھی، سمجھنا نہیں جانتی تھی، سمجھانا تو بالکل نہیں جانتی تھی۔ اللہ نے اس کی زندگی میں ایسے لوگ بھیجے تھے جو بن کہے سن لیا کرتے تھے، جو اس کے سمجھائے بغیر سمجھ جایا کرتے تھے، جو اس کے بے ربط الفاظ سے جتنا سمجھ آتا تھا، اس سے زیادہ اسے کمفرٹ کر دیا کرتے تھے۔۔۔ اور پھر بھی وہ کہتی تھی کہ میں اکیلی ہوں؟ مجھے مر جانا چاہیے۔ کیا اس جیسی کسی انسان کو ایسا کہنا زیب دیتا ہے پھر۔۔۔؟ ویسے بھی موت کا کیا ہے۔۔۔ وہ تو سب کو ہی آنی ہے ناں۔"

www.novelsclubb.com

یکدم ہی دروازہ زور سے دھڑ دھڑایا گیا تو وہ جیسے کسی ٹرانس سے باہر آئی۔ آنکھیں رگڑتی، فائل سیو کرتی وہ اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا تو سامنے متفکر سی ثمرین کھڑی تھی۔ اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ سب خیریت تو ہے ناں؟"، اس کا چہرہ بتلاتا تھا کہ خیریت نہیں ہے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں ہے خیر۔ارشد صاحب کی بہن کا انتقال ہو گیا ہے۔وہ لوگ ایئرپورٹ پر ہی تھے جب انہیں اطلاع ملی ہے۔وہ وہیں سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہو گئے ہیں۔"، ثمرین پھولی سانسوں کے درمیان بولی تو ایمان کے دل کو دھکا سا لگا۔

"اللہ رحم کرے۔حیدر آباد میں رہتی تھیں وہ؟"،اس نے نجانے کیوں پوچھا تھا۔

"ہاں حیدر آباد میں ہی رہتی تھیں۔میں بھی ملی ہوں ان سے کافی دفعہ۔۔۔اللہ!"، ثمرین نم آنکھیں لیے آگے بڑھ کر یکدم ہی اس کے گلے آلگی تھی۔ایمان نے بے ساختہ اس کی پشت تھپتھپائی تھی۔اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ایسا کیوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ بہت برا ہو گیا ہو؟ اس کے ساتھ،اس کے کسی قریبی شخص کے ساتھ۔

لیپ ٹاپ کی اسکرین پر چند الفاظ اب بھی جگمگ کر رہے تھے۔

"ویسے بھی موت کا کیا ہے۔۔۔وہ تو سب کو ہی آنی ہے ناں۔"

جاری ہے۔۔۔

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP: